شہسوار

از

یوسف ظفر

ناشران

تاج کمپنی لمیٹڈ، قرآن منزل

(ریلوے روڈ۔ لاہور)

ناشر
تاج کمپنی لمیٹڈ قرآن منزل ریلوے روڈ لاہور

سنہ ۱۹۴۳ء

فہرست

"کسی ایک انسان کی زندگی کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ کوئی مفید کام کرے، کوئی جرأت آمیز بات کہے، کسی حسین تصوّر کو مجسّم بنا دے......"

(ٹی، ایس، ایلیٹ)

شہسوار

افراد

برکت ــــــ ایک بیس سالہ نوجوان ماہی گیر
قاسماں ــــــ برکت کی بڑی بہن
نوراں ــــــ برکت کی چھوٹی بہن
مریاں ــــــ برکت کی والدہ
فتو ــــــ درزی اور کچھ عورتیں

مقام :- دریائے سندھ کے کنارے دریاخاں کے قریب چند جھونپڑے۔

(قاسماں چرخہ کات رہی ہے، نوراں آتی ہے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک گٹھڑی ہے)

نوراں :- کہاں ہے اماں ؟
قاسماں :- اندر لیٹی ہے۔ خدا کرے سو جائے بے چاری۔

(وقفہ)

قاسماں :- کیا لائی ہو یہ ؟
نوراں :- مُلاں نبیا لایا ہے اسے۔ یہ تہ بند اور کرتے کی دھجیاں ہیں۔ آپا !

کہتا تھا اُس آدمی کے ہیں جو کالا باغ میں ڈوبا تھا۔

(وہ آسماں چرخہ چھوڑ دیتی ہے)

دیکھنا یہ ہے آپا کہ یہ وریام کے ہیں بھی کہ نہیں ؟

سماں :- وریام کے کیسے ہو سکتے ہیں نوراں ؟ بھلا وہ کالا باغ کیسے پہنچ گیا ؟

راں :- ملاں نبیا کہتا تھا اُس نے کئی ایسی واردات سُن رکھی ہیں۔ طوفان میں کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر یہ کپڑے وریام کے ہیں۔ تو اماں سے کہہ دینا خدا نے وریام کو بخش دیا ہے۔ اور اگر اس کے نہیں تو کوئی اماں سے کچھ مت کہے نہیں تو وہ روتے روتے مر جائے گی۔

(ہوا کے جھونکے سے دروازہ کھٹ سے کھل جاتا ہے)

ماں :- (بیتابی سے) تم نے اُسے کہہ دیا تھا نا کہ وہ آج برکت کو ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی منڈی میں گھوڑے لے جانے سے روکے۔

ں :- وہ کہتا تھا میں اُسے نہ روک سکوں گا۔ تمہاری ماں آدھی آدھی رات کو اٹھ کر دعائیں مانگا کرتی ہے۔ خدا اُسے نامراد نہیں کرے گا یوں کہ اس کا کوئی بیٹا بھی زندہ نہ رہے۔

ماں :- دریا بھیلاں کے موڑ پر بہت چڑھا ہُوا ہے نوراں ؟

ں :- کچھ زیادہ نہیں آپا۔ خدا ہمارا ساتھ دے گا۔ دریا کے پاٹ میں سے بہت خطرناک آوازیں آ رہی ہیں۔ اگر آندھی کا رُخ دریا کی ڈھلوان کی طرف ہو گیا تو خدا ہی خیر کرے۔ جانے کیا ہو جائے۔ ان کپڑوں کو اب دیکھو گی آپا۔ کھول دوں گٹھڑی ؟

ماں :- ممکن ہے اماں جاگ اُٹھے اور اوپر سے آ جائے ہمیں کافی دیر لگے گی

اور پھر جب ہم رو رہی ہونگی۔ دروازے سے کان لگا کر سُن اماں کی آواز تو نہیں آرہی؟

(نوراں دروازے سے کان لگا کر سُنتی ہے)

نُوراں :- چارپائی پر کروٹیں لے رہی ہے اماں۔ بس ابھی آتی ہی ہو گی۔

قاسماں :- لا، اسے پھُوس کے پیچھے چھپا دوں۔ یہاں وہ اسے دیکھ نہ پائے گی۔ اور پھر دریا پہ اسے خبر لینے تو جانا ہی ہے۔ اس وقت اطمینان سے دیکھ لیں گی ہم۔

(تھیلے کو پیچھے چھپا دیتی ہے۔ دروازہ کھلتا ہے اور مریاں باہر آتی ہے)

مریاں :- آگ جل نہیں رہی کیا جو یُوں پھُوس جلاتی پھرتی ہو؟

قاسماں :- اماں چولہے پر دال چڑھا رکھی ہے مَیں نے۔ برکت ڈیرے جا رہا ہے نا۔ اُس کو کھانا کھلانا ہو گا۔

مریاں :- (قریب آتے ہوئے) آج وہ ڈیرے نہیں جائے گا۔ آندھی چاروں طرف سے اُٹھ رہی ہے۔ وہ آج نہیں جائے گا۔ مُلاں بنیا اُسے روکیگا ضرور روکے گا۔

نُوراں :- وہ اُسے نہ روک سکے گا اماں۔ اور مَیں نے مرادے اور سماعیل کو بھی یہی کہتے سُنا ہے کہ وہ ضرور جائے گا۔

مریاں :- کہاں ہے وہ آپ؟

نوراں :- اماں وہ کالے ملاح کے پاس کشتی کا پتہ چلانے گیا ہے۔ آتا ہی ہو گا۔ (کھڑکی میں سے جھانکتی ہے) دیوانی لہریں پتھروں سے سر مار رہی ہیں۔ دور سے آتی ہوئی پانی کی لہریں ساحل سے لڑتی ہوئی واپس جا رہی ہیں۔

قاسماں :- کوئی آرہا ہے نوراں ؟

نوراں :- ہاں بھیا آرہا ہے۔ اوفوہ! کتنی تیزی سے چل رہا ہے۔

(وقفہ)

برکت :- (اندر آتے ہوئے) یہ چادر مجھے اتار دو قاسماں۔ یہی ہے نا وہ چادر جو اماں کے لئے وریام ڈیرے سے لایا تھا ؟

قاسماں :- ہاں ہاں یہ وہی چادر ہے۔ صبح میں نے اسے دھوپ لگنے کے لئے پھیلا دیا تھا۔ ذرا سی دھوپ نکلی تھی نا۔ چادر دے دو برکت کو نوراں ؛

نوراں :- (تہہ کر کے دیتی ہے) یہ لو بھیا!

مریاں :- چادر کو یہیں رہنے دو برکت! یہاں اس کی ضرورت پڑے گی۔ میں تم سے کہتی ہوں برکت کہ اگر کل وریام کی لاش مل گئی یا پرسوں یا زیادہ سے زیادہ ہفتے تک مل گئی۔ تو ہم اللہ کے فضل سے اسی چادر میں اُسے دفن کریں گے ؛

برکت :- ہوا بہت تیز ہے اور گھوڑے پر چڑھ کر جاتے ہوئے مجھے سردی لگے گی۔ آج کے بعد دو ہفتے تک مجھے کوئی کشتی نہ مل سکے گی۔ میں نے لوگوں سے سُنا ہے کہ اب کی ڈیرہ کی منڈی بہت زوردار رہیگی ؛

مریاں :- اگر لاش مل گئی تو لوگ کیا کہیں گے۔ میرے وریام کو کفن بھی نہ مل سکے گا۔ پارسال کیسے اچھے کپڑے سلوائے تھے اُس نے، منگنی ہو رہی تھی نا اُس کی اور اب اسے کفن بھی نہ دیا جا سکے گا۔

برکت :- نو دن سے تو اس کی لاش کو ڈھونڈ رہے ہیں ہم لوگ۔ اور پھر ہوا مخالف چل رہی ہے، لاش نہیں ملنے کی ؛

مریاں :۔ نہ ملی تو کیا۔ آندھی بپھری ہوئی بھاگتی پھرتی ہے۔ لہریں موت کی بہنیں معلوم ہوتی ہیں۔ اندھیری رات میں میرا ایک تارا ٹوٹ گیا تو گیا۔ اس طوفانی رات میں میرا آخری تارا بھی ٹوٹنے نہ پائے۔ دو گھوڑے تو گیا سو بھی ہوں تو کیا۔ ہزاروں گھوڑوں کی قیمت ایک بچے کے برابر ہو سکتی ہے برکت ؟ (آہ بھر کر) اور جب وہ بچہ آخری ہو۔

برکت :۔ باڑے میں روز جانا قاسماں، بھیڑوں کی پوری طرح نگہداشت کرنا۔ سُنا اور اگر کوئی گاہک مل گیا تو کالی بکری کو اچھے داموں بیچ ڈالنا، اچھا!

مریاں :۔ ایسی لڑکی بھلا اچھے داموں کیسے بیچ سکے گی ؟

برکت :۔ اگر موسم اچھا ہو گیا اور طوفان تھم گیا تو تم اور نوراں جال ڈال کر کوئی مچھلی وچھلی پکڑ لانا۔ قاسماں آج سے ہم لوگوں کے لئے مصیبت بڑھ گئی ہے۔ اس گھر میں کام کرنے کے لئے سوائے ایک کے اب کوئی مرد نہیں رہا۔

مریاں :۔ سب سے بڑی مصیبت اُس دن آئے گی جب تم بھی باقیوں کی طرح ڈوب جائے گا۔ میں کیسے زندہ رہ سکوں گی اور یہ دو لڑکیاں میرے ساتھ۔ میں بڑھاپے جاری، میں کیا کر سکوں گی برکت ؟

برکت :۔ نوراں دیکھنا کشتی کھڑی ہے نا ؟

نوراں :۔ ہاں بھیا بڑی بھجور کے پاس بڑے اطمینان سے جھکولے کھا رہی ہے۔

برکت :۔ آدھ گھنٹے تک مجھے وہاں پہنچنا ہے۔ دو تین دن تک لوٹ آؤں گا اگر طوفان کا یہی حال رہا تو ممکن ہے چار دن بھی لگ جائیں۔

مریاں :۔ میں پوچھتی ہوں برکت تم مجھ پر ظلم نہیں کر رہے کیا ؟ کیا یہ نافرمانبرداری

نہیں۔ کیا میں نے تمہیں اسی دن کے لئے جنا تھا۔ میں یہی دن دیکھنے کے لئے زندہ بھی کیا؟ برکت! تم میرا دل توڑ رہے ہو!

قاسماں:۔ طوفان سے کھیلنا ہی نوجوانوں کا کام ہے اماں! اور کون سنتا ہے اس بڑھیا کی جو ایک ہی رٹ لگانے کے سوا کچھ نہ جانتی ہو!

برکت:۔ اب مجھے جانا چاہیئے۔ بسنرے پہ سوار ہو کر سرخ کو پیچھے لگا کر لے جاؤں گا۔ (وقفہ) اچھا! جاتا ہوں!

مریاں:۔ (روتے ہوئے) چلا گیا۔ اے اللہ تو ہم پہ رحم کر۔ اور اب میں اُسے کبھی نہ دیکھ سکوں گی۔ وہ چلا گیا اور جب طوفانی رات چھا جائے گی تو دنیا میں میرا کوئی بیٹا باقی نہ رہیگا!

قاسماں:۔ دروازے پہ کھڑا اجازت چاہتا ہے برکت۔ اُسے رخصت کیوں نہیں کرتیں اماں، دیکھو اماں وہ یونہی چلا جائے گا کیا؟ کتنے بے رحم لفظ سُنے ہیں اُس نے، کتنے کرخت فقرے تم نے اُسے جاتے ہوئے سنائے ہیں اماں!

(وقفہ)

(مریاں چپ ہے۔ پتے جل رہے ہیں)

قاسماں:۔ (چونک کر) میرے اللہ! مجھے کھانا دینا تو یاد ہی نہیں رہا۔ اُف بے چارہ وہ کھانا بھی تو نہیں گیا!

(چولھے کی طرف جاتی ہے)

نوراں:۔ اُس نے تو صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ اور اوپر سے رات۔ آرہی ہے آپا!

قاسماں:۔ (دیگچی چولھے سے اتارتے ہوئے) اس گھر میں کسی کو خاک ہوش

رہے جس میں کبھی نہ چُپ رہنے والی بُڑھیا بیٹھی ہوئی

(وقفہ)

لو اماں! میں نے روٹی باندھ دی ہے۔ وہ بارڈر سے ابھی آئیگا، رستے میں اسے روٹی دے دینا، اُسے پیار کرنا اور کہنا خدا تمہیں سلامتی سے واپس لائے اماں! اس کا دل دُکھایا ہے تم نے۔ اس کے دل کو ڈھارس بندھانا؛

مریاں:- میں اتنی جلدی وہاں پہنچ سکوں گی کیا؟

قاسماں:- اگر جلدی جاؤگی تو؛

مریاں:- (جاتے ہوئے) چلنا بھی مشکل ہوگیا ہے بیٹی؛

قاسماں:- لاٹھی پکڑا دو نوراں! نہیں تو پھسل کر گر پڑیگی۔

نوراں:- کونسی لاٹھی آپا؟

قاسماں:- وہی جو وریام   دریا خاں سے لایا تھا۔

مریاں:- (لاٹھی لیتے ہوئے) دنیا میں بوڑھے اپنے بیٹے اور پوتوں کے لئے ورثہ میں مال و دولت دے جاتے ہیں۔ اور یہاں بچے اپنے بوڑھوں کے لئے یادگاریں چھوڑ گئے ہیں؛

(باہر جاتی ہے دروازہ بند کرنے کی آواز، نوراں گٹھڑی نکالنے جاتی ہے)

قاسماں:- ٹھہرو نوراں! کہیں وہ لوٹ نہ آئے۔ جانتی ہو اگر واپس آکر اس نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا؛

نوراں:- دیکھو تو آپا! جا رہی ہے نا!

قاسماں:- چلی گئی ہے۔ جلدی سے دو مجھے، خدا جانے کتنی جلدی لوٹ

آ جائے گی !

(وقفہ)

ملاّں نبیئے نے بتایا تھا کہ یہ کپڑے اُسے کہاں سے ملے ہیں ؟

نوراں :- کالا سے دو آدمی کشتی پر آرہے تھے۔ انہیں رستے میں ایک لاش بہتی ملی اور وہ اُسے کشتی پر ڈال کر لے آئے !

قاسماں :- کمبخت گا نٹھ کھلنے کا نام نہیں لیتی۔ لانا تو چاقو نوراں !

نوراں :- (چاقو لاتے ہوئے) میں نے سنا ہے کالا یہاں سے بہت دور ہے !

قاسماں :- ہاں ! یقیناً بہت دور ہے۔ ایک آدمی یہاں آیا تھا۔ وہی جس سے ہم نے یہ چاقو خریدا تھا، کہتا تھا دریا کے ساتھ ساتھ دس دن کا راستہ ہے یہاں سے کالا باغ !

نوراں :- اور اگر ایک آدمی بہتا ہوا آئے تو کتنی دیر میں پہنچے گا آپا ؟

قاسماں :- (کھول کر) اللہ میرے ! عجیب نہیں ہے یہ بات نوراں ؟ یہ کپڑے وریام کے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی کے ہیں !

نوراں :- برکت اور وریام نے ایک جیسی ہی قمیصیں سلوائی تھیں نا آپا۔ لاؤ برکت کی قمیص ؟

(قمیص تلاش کرتی ہے)

کھونٹی پر تو نہیں۔ کہاں گئی وہ قمیص آپا !

قاسماں :- ابھی ابھی تو برکت اسے پہن کر گیا ہے۔ ہاں ! دیکھنا اسی کپڑے کی ایک دھجی بچی ہوئی پڑی ہے اماں کے سرہانے کے نیچے۔ لاؤ تو اسے !

(وقفہ)

(نوراں لاتی ہے۔ دروازہ کھلنے اور بند کرنے کی آوازیں)
یہی کپڑا ہے نوراں۔ میں کہتی ہوں ایک ہی قسم کے کپڑے دوسرے لوگ نہیں پہن سکتے کیا؟ ممکن ہے کسی اور نے بھی دریام ہی کی طرح کی قمیص پہن رکھی ہو اور یہ سیلاب۔ خدا جانے کتنے گاؤں بہہ گئے ہیں اس میں۔ ہزاروں جانیں ضائع ہوئی ہیں اس سیلاب میں۔

نوراں :- (روتے ہوئے) دیکھو آپا۔ تہ بند میں یہ میرے ہاتھ کے ٹانکے لگے ہوئے ہیں۔ دریام کو جاتے ہوئے میں نے سی کر دی تھی میرے ہی ہاتھ کی سلائی ہے۔ وہی لمبے لمبے ٹانکے۔ اماں سنے گی تو کیا کہیگی!
------ اور پھر برکت بھی چلا گیا ہے۔

قاسماں :- ہاں میں نے ہی تو سینے کے لئے کہا تھا تمہیں۔ (روتے ہوئے) نوراں! ذرا سوچو، ہمارا دریام بہتا چلا جا رہا ہے۔ اور کوئی اسے دیکھنے والا نہیں سوائے اُن چیلوں کے جو لاشوں پر منڈلاتی پھرتی ہیں۔

نوراں :- ہاں آپا! ہمارا دریام، کتنا بہادر، کتنا اچھا تیراک اور ماہی گیر اور پھر یہ ہیں چیتھڑے جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کبھی تھا۔ (ہچکی)

قاسماں :- (چونک کر) دیکھنا تو کسی کے چلنے کی آواز آ رہی ہے۔

نوراں :- (کھڑکی سے جھانکتے ہوئے) وہی ہے آپا۔ دروازے کے پاس پہنچ چکی ہے۔

قاسماں :- گھاس میں چھپا دو اسے جلدی سے۔
(خود چرخہ کاتنے بیٹھ جاتی ہے)

نوراں :- اماں کو معلوم تو نہ ہو سکے گا کہ میں رو رہی تھی۔

قاسماں :- دروازے سے منہ موڑ کر میری طرف دیکھو۔ تاکہ روشنی تمہارے

چہرے پر نہ پڑنے پائے:

(مریاں داخل ہوتی ہے لاٹھی ٹیکتی ہوئی)

قاسماں: (چرخہ چلاتے ہوئے) تم نے اسے روٹی نہیں دی اماں!

مریاں:- تم نے اُسے جاتے ہوئے دیکھا؟

قاسماں:- (گھبرا کر چرخہ چھوڑ دیتی ہے) کیا ہوا اماں! خیر تو ہے؟ جلدی بتاؤ تم نے برکت کو دیکھا اماں!

(وقفہ)

کیا بات ہے، آخر کچھ کہو گی بھی کہ نہیں؟

مریاں:- آج میرا دل ٹوٹ گیا ہے:

قاسماں:- (کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے) اللہ میرے! میں تو ڈر ہی گئی تھی جا تو رہا ہے سُرخے پر سبزہ اس کے پیچھے ہے:

مریاں:- (گھبرا کر) سبزہ اس کے پیچھے ہے؟

قاسماں:- (قریب جا کر) آخر بات کیا ہے اماں؟

مریاں:- (مدھم سی آواز میں) آج اتنی ہی خوفناک بات دیکھی ہے میں نے، جتنی کہ اس روز دیکھی تھی جب ـــــ ایک مُردہ عورت کے سینے سے چمٹا ہوا بچہ بہا جا رہا تھا:

قاسماں اور نوراں:- (دونوں) ہیں!

(اُس کے قریب بیٹھ جاتی ہیں)

نُوراں:- کیا دیکھا ہے تم نے اماں:

مریاں:- سامنے کالو کے جھونپڑے تک گئی تھی میں۔ اور دعائیں مانگ رہی تھی برکت کے لئے کہ میں نے اُسے دیکھا!

دونوں :۔ کسے ؟
مریاں :۔ برکت کو۔ اور وہ اپنے سُرخے پر چڑھا جا رہا تھا۔ اور سبزہ اُس کے پیچھے تھا۔ (روتے ہوئے) خدا ہم پر رحم کرے!

قاسماں :۔ یہ کیا دیکھا ہے تم نے اماں ؟
مریاں :۔ میں نے وریام کو دیکھا!
قاسماں :۔ نہیں اماں تمہیں غلطی ہوئی۔ وہ وریام نہیں جسے تم نے دیکھا ہے اللہ نے چاہا تو اس کی لاش جلد مل جائے گی۔ اور ہم اُسے اپنے ہاتھوں سے دفن کریں گے!

مریاں :۔ (بات پر زور دیتے ہوئے) میں نے اسے خود دیکھا ہے۔ اور وہ ڈُبکی لگائے جا رہا تھا۔ برکت پہلے سُرخے پر سوار آیا اور میں نے چاہا کہ اسے کہوں۔ خدا تمہیں خیریت سے لائے بیٹا۔ لیکن میرا حلق سوکھ گیا۔ اور یہ لفظ میرے گلے میں کانٹوں کی طرح چبھنے لگے۔ وہ جلدی سے میرے پاس سے گزر گیا۔ اور اس نے کہا۔ خدا کا تم پر فضل ہو اماں۔ اور میں نے پھر دیکھا۔ سبزے پر وریام آ رہا تھا۔ وہی کپڑے تھے اس کے جسم پر، وہی منگنی والے کپڑے نوراں!
قاسماں :۔ (مدھم سی آواز میں) ہم پر آج بلا نازل ہو رہی ہے۔ خدا خیر ہی کرے!
مریاں :۔ برکت کا ابھی سن ہی کیا ہے۔ ابھی وہ طوفانوں سے کھیلنا ہی کہاں جانتا ہے۔ وہ بھی کھو جائے گا اب۔ کرہاں کے بیٹے فتو درزی کو بلا لاؤ بیٹی، میں اُن کے بعد اور نہ جیوں گی۔ (مریاں کی آنکھوں میں مُردنی سی چھائی ہوئی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خلا میں دیکھ رہی ہے)

اِس گھر میں میرا ایک خادم تھا اور اُس کا باپ، اور میرے چھ بیٹے۔ اس گھر میں۔ ہاں چھ نوجوان۔ اور ہر ایک کا جننا ایک امتحان تھا میرے لئے، اور پھر وہ دنیا میں آئے۔ اور ان میں سے کچھ بہہ گئے اور کچھ مل گئے۔ بہہ گئے اسی طوفانی سمندر میں۔ اور اب ان تمام کے تمام میں سے کوئی بھی نہیں رہا۔ ایک اکبر تھا اور دوسرا عمرو۔ دونوں ۱۴ سنہ کے طوفان میں بہہ گئے تھے۔ دونوں کو ایک ہی چارپائی پہ ڈال کر لائے تھے لوگ۔

(پس منظر میں دُور ساحل پہ کوئی گا رہا ہے)

کھویئے.... ہَو—— ہَو—— ہَو

نیا ڈوب چلی تیری—— ہَو—— ہَو—— ہَو

سر پر تیرے رات اندھیری

کون سُنے گا تیری میری

نیا—— پار لگانے والی

طوفانوں نے گھیری—— ہَو—— ہَو—— ہَو

نیا ڈوب چلی تیری

—— ہَو—— ہَو—— ہَو—— کھویئے

نُوراں:۔ سُنی تم نے آپا کسی کی آہٹ—— کوئی آ رہا ہے

مریاں:۔ میرا خاوند اور اس کا باپ ایک طوفانی رات میں اسی دریا کی نذر ہوئے تھے۔ اور جب سورج نکلا تو میں رانڈ ہو چکی تھی۔ اور میرا بابر—— کشتی اُلٹ گئی تھی اُس کی۔ اور ڈوب—— میں یہیں بیٹھی تھی۔ برکت میرے گھٹنوں پہ کھیل رہا تھا۔ یہی جگہ تھی اور میں نے

دیکھا اسی سامنے دروازے سے پہلے ایک عورت آئی اور پھر دوسری اور پھر تیسری اور چوتھی۔ سب رو رہی تھیں ——— منہ سے کچھ نہ کہا کسی نے ——— اور میں نے باہر دیکھا اسی دروازے سے، چارپائی پر ڈالے اُسے لوگ لا رہے تھے، میرے ڈُلّو کو ——— اور چارپائی سے ٹپکتے قطرے ——— اُس دن دریا بڑے اطمینان سے بہہ رہا تھا۔ سورج نکلا ہوا تھا اور چارپائی سے ٹپکتے ہوئے قطرے دروازے تک ساتھ آئے تھے؛

(دروازہ کھلتا ہے، پہلے ایک عورت آتی ہے روتی ہوئی، پھر دوسری تیسری اور چوتھی)

مریاں :۔ یہ ڈُلّو ہے کہ وریام۔ کِسے لا رہے ہیں لوگ؟

قاسماں :۔ وریام کی لاش تو تلاش کی جا رہی ہے۔ وہ تو نہیں ہو سکتا اماں!

مریاں :۔ جوانوں میں ایک عجیب طاقت ہوتی ہے بیٹی۔ وہ ڈوب کر بھی اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں؛ اور پھر یہ لوگ کیا بتائیں کہ یہ کون ہے۔ نَو دن سے ہم لوگ اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ دریا پورے زوروں سے بہہ رہا ہے۔ ہوا چل رہی ہے۔ اتنے دنوں میں تو سگی ماں اپنے بچے کو پہچان نہیں سکتی؛

قاسماں :۔ وریام ہے اماں! وریام ہی کو لا رہے ہیں یہ لوگ۔ دیکھ تو یہ اس کے کپڑے ہیں جنہیں نوراں لائی تھی۔ (گھاس کے ڈھیر میں سے کپڑے نکال کر دکھاتی ہے)

نُوراں :۔ (کھڑکی سے جھانکتی ہوئی) چارپائی پر ڈال کر لا رہے ہیں لوگ اور چارپائی سے ٹپکتے ہوئے قطرے ساتھ آ رہے ہیں؛

قاسماں:- (ایک عورت سے) برکت؟
ایک عورت:- ہاں اللہ اُسے بخشے۔
(لوگ برکت کی لاش کو اندر لاتے ہیں)
قاسماں:- (روتے ہوئے) کس طرح ہوا یہ؟
دوسری عورت:- سبز گھوڑے نے اسے دریا کے کنارے پر گرا دیا اور یہ لڑھکتا ہوا دریا میں جا گرا۔ ہائے کتنا خوبصورت جوان تھا برکت۔
(مریاں اُٹھ کر لاش کے پاس جاتی ہے)
مریاں:- سب کے سب جا چکے ہیں۔ دریا اپنا تمام کام کر چکا ہے۔ اس سے زیادہ اسے کرنا ہی کیا تھا۔ آدھی آدھی رات کو جب آندھیاں اور طوفان آپس میں لڑ رہے ہوں گے، میں اب کسی کے لئے دعائیں مانگنے نہ اُٹھوں گی۔ اب مجھے دعائیں مانگنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کس کے لئے روؤں گی اب میں، آدھی رات کو اُٹھ کر پیر غنی کے مزار پر دیئے جلانے نہ جاؤں گی اب۔ جب دوسری عورتیں اپنے بچوں کے لئے تڑپ رہی ہونگی مجھے کوئی پروا نہ ہوگی۔
(برکت کی لاش سے) یہ نہیں کہ میں تیرے لئے دعائیں نہیں مانگتی رہی۔ یہ نہیں کہ خدا سے میں نے تیری زندگی کی بھیک نہیں مانگی، یہ نہیں کہ میں گود پھیلا پھیلا کر تیرے لئے التجائیں نہیں کرتی رہی۔ میرے بچے اب تجھے اس کا کبھی علم نہ ہوا۔ لیکن اب مجھے ہر طرح اطمینان ہوگا۔
(زیر لب دعائیں مانگتی ہے)
قاسماں:- (فتّو درزی سے) تمہیں اس چادر کا کفن بنانا ہوگا فتّو، ابھی ابھی برکت اسے اوڑھ کر گیا تھا، کہتا تھا ہوا تیز ہے اور مجھے سردی لگے گی۔

اور یہ لو روٹی، میں نے برکت کے لئے ابھی پکائی تھی۔ شاید تم گھر سے کچھ کھا کر نہیں نکلے۔

فتو:۔ گھر میں کوئی چٹائی ہے جس پر ڈال کر برکت کو دفن کیا جائیگا۔

قاسماں:۔ اوہ انہیں تو اس کا خیال تک نہ آیا!

فتو:۔ کتنی عجیب ہے یہ بات کہ کفن کے لئے چدر تو منگوالی اماں نے، اور چٹائی کا خیال تک نہ گیا!

قاسماں:۔ اب وہ بہت بوڑھی ہو گئی ہے اور شاید مردے سے بدتر۔

(وقفہ)

نورکاں:۔ (قاسماں سے) دیکھو اماں کیسی چپ ہو گئی ہے آپا۔ اور اُس دن جب وریام کے ڈوبنے کی خبر آئی تھی تو کتنا روتی تھی، نانو دریا تک اس کے رونے کی آوازیں جاتی تھیں۔ وریام کتنا پیارا تھا اسے آپا!

قاسماں:۔ بوڑھی عورتیں ایک ہی بات سے بہت جلد اکتا جاتی ہیں اور پھر اسے روتے ہوئے بھی تو نو دن گذر گئے ہیں۔

مریاں:۔ اب یہ تمام بھائی اور باپ اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اور انجام آپہنچا ہے ــــــ خدا برکت کی رُوح کو بخشے۔ اور وریام کی رُوح کو بخشے۔ اور اکبر اور عمر کی روحوں کو اور بابر کی رُوح کو اور ڈلو کی رُوح کو اور میرے گناہوں کو بخشے۔

(وقفہ)

خدا نے چاہا تو ہم وریام کے لئے بہت عمدہ قبر تیار کریں گے۔ اور برکت کے لئے میں نے کیسا اچھا کفن بنا رکھا ہے۔ اس سے زیادہ؟

ہمیں کس بات کی ضرورت ہے، ایک اچھی قبر اور ایک اچھا کفن،
دنیا میں کون ہے جو ہمیشہ زندہ رہا، اور ہمیں کبھی تو مطمئن ہونا
چاہیئے +

(Riders to the Sea از جے، ایم، سِنج سے تصرف، تلخیص،
اور ترجمے کے بعد ہندوستانی ماحول میں پیش کیا گیا۔ اور لاہور و
پشاور ریڈیو سٹیشنوں سے براڈکاسٹ ہوا)

شاعر کی بیوی

افراد

پریشان نگینوی ———— ایک شاعر
بیگم ———— اُس کی بیوی
حضرتِ گرداب ———— } پریشان کے
ارشد دریاپوری ———— } دو دوست

منظر

(پریشان بیٹھک میں بیٹھا اپنی بیگم سے باتیں کر رہا ہے)

پریشان :- اجی بیگم، دیکھو ہمیں کل ایک مشاعرے میں جانا ہے اور اس کے لیے ہم آج ہی غزل لکھیں گے سُنا تم نے، ہمارے کمرے میں مت آئیو۔

بیگم :- بس جب دیکھو یہی کہو ہیں ہمارے کمرے میں مت آئیو، ہر بخت ایک ہی رٹ لگا دیں ہو تو۔ کمرہ کاہے کو ہوا اس میں کا کھٹولا ہوا۔ ہاتھ لگانے سے میلا ہوئے ہے، بڑے آئے کمرے والے، کبھی ہمارے یہ ملنے والے آئے ہیں کمرے میں مت آئیو، کبھی ہمارے وہ ملنے والے

آئے ہیں ہمارے کمرے میں مت آئیو جی عجب تماسہ کریں ہیں جی آپ
اب کھوئیں ہیں کچل لکھوں ہوں کمرے میں مت آئیو، ہم سے یو نہ
ہووے ہے، یونہیں روج روج ہووے یاں تو:

پریشان:- اری بدبخت کسی وقت تو تمیز سے بات کیا کر۔ شادی ہوئے
پانچ مہینے ہو گئے ایک شعر نہیں کہا۔

بیگم:- ایک سعر نہیں کہہ سکا، ہماری بلا سے، ہم کا جانیں، سعر کہنے کو لائے
ہوئے تھیں، ہم نہ جانیں یو باتیں، تمیج سکھاویں ہیں۔ گھر میں آٹا نہیں
بیٹھے ہیں کچل لکھنے، جب دیکھو تمیج تمیج یاں کا تو اوڑھنا بچھونا تمیج ہوا پڑا
ہے:

پریشان:- اف توبہ تم تو بات کا بتنگڑ بناتی ہو۔ ارے ہمارا تو یہ پیشہ ٹھہرا،
شعر کہتے ہیں۔ لوگوں کو اُلو بناتے ہیں اور یونہی پیسے بٹورتے ہیں، شعر
نہ کہیں گے تو کھائیں گے کہاں سے، بیوقوف نہ بنو جیسا کہوں مان
لیا کرو، سروتے کی طرح ہر وقت کی کتر کتر ہمیں بُری لگتی ہے۔ سُنا
تم نے:

بیگم:- اکیلی رہنے دیا ہوتا ہمیں تو مفت میں باوا کے گھر سے نکاوا یا، ذری
سا گھر لے رکھا ہے ——— ہوں ہوں ——— اکیلی رہنے دیا ہوتا:

(دھم دھم کرتی چلی جاتی ہے، دروازہ بند کرنے کی آواز)

پریشان:- (خود سے) جینا حرام کر دیا ہے، کم بخت کہیں کی۔

(وقفہ، کاغذوں کے کھڑکنے کی آواز)

چین ملے تو کچھ ہو بھی۔ جانے پنسل کہاں رکھ بیٹھا ہوں۔ ابھی ابھی تو تھی:
اچھا قلم دوات ہی سہی۔ (وقفہ) بیوقوف پلے پڑ گئی ہے، دوات

ہیں سیاہی نام کو نہیں ـــــــــ (آواز دیتا ہے) بیگم اُسنو تو:

بیگم :- ہم نہ آویں جی، کسی نتیج والی کو بلائیو (ذرا زچی سے) بڑے وہ ہو تم:

پریشان :- (پیار سے) ارے تم تو ناراض ہو گئیں میری جان، کسی وقت سمجھ سے بھی کام لیا کرتے ہیں۔ دیکھو تو کام ضروری ہے۔ نادان نہ بنو، کہہ یا تنہا بیٹھیں گے، تو تم خواہ مخواہ بگڑ گئیں: آؤ تمہیں فانی کا شعر سُنائیں:

تم نے سب اپنے کام بگڑ کر بنا لئے

میری وفا وہ کام جو بن کر بگڑ گیا

سُنا کتنا اچھا شعر ہے:

بیگم :- ہماری سمجھ میں تو کچھ نہ آوے۔ رہنے دو اس شاعری نے ناک میں دم کر رکھا ہمارا۔ ہر بخت آدمی ہیں تمہارے پاس:

پریشان :- اے جانے بھی دو بللہ، کسی وقت تو کام کی بات کیا کرو (چڑ جاتا ہے) ـــــــــ اچھا جاؤ دوات میں پانی ڈال لاؤ۔ اور دیکھو کہیں سے پنسل مل جائے تو لیتی آنا ـــــــــ اچھا!

بیگم :- خود نہ ڈال سکو ہو، ہمیں مفت میں بلاؤ ہو۔ جا کر بھوڑی ہیں ہم، بڑے نواب صاحب ٹھہرے، ہم سے نہ پانی وانی ڈالا جاوے ہے، یہ رہی داوات:

پریشان :- خدا قسم یونہی بگڑتی ہو تم، ہوا سے لڑتی ہو، جاؤ پانی ڈال لاؤ۔ سُنا، زیادہ باتیں بناؤ گی تو یاد رکھنا ـــــــــ ہُوں ـــــــــ

(چپت دکھاتا ہے)

بیگم :- ہمیں دھمکاؤ نہیں جی، گھڑی بھر سے کھوول ہُوں آٹا نہیں، انہیں سوجھی شاعری کی، پانی داوات میں ڈلوانا ہم سے، جانے تم سے

کچھ نہ ہووے ہے ؛

(باتیں بناتی ہوئی گھسر پھسر کرتی دوات لئے چلی جاتی ہے)

پریشان :- (خود سے) اللہ میری توبہ کیسی بیوقوف پلّے پڑ گئی ہے ؛

(دروازہ کھلتا ہے)

بیگم :- یہ رہی داوات ؛

(باہر چلی جاتی ہے)

پریشان :- (خود سے) میرے اللہ توبہ، اس عورت نے تو جینا اجیرن کر دیا ہے۔ ناک میں دم آگیا ہے میرا تو، دوات پانی سے بھر لائی ہے، خدا کو بھی عجیب سوجھتی ہے، ایسی دقیانوس عورت کو میرے گلے مڑھ دیا ہے۔ کجا شاعری اور کجا یہ بدمذاق عورت۔ اللہ کہاں جاؤں ؛

(سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے) (وقفہ)

اچھا بھئی (آواز بھر کر) چلو پھر پنسل تلاش کرو ؛

بیگم :- (باورچی خانے سے) پنسل تلاش کر چکی، نہ ملی ہمیں ؛

پریشان :- اچھا سُن لیا۔ (خود سے) گلے پڑی ڈھولک بجانی ہی پڑتی ہے اماں کی جان کو بیٹھ کر روؤں کہ ایسی کمذات کو میرے پلّے باندھ دیا سو بار کہا شادی نہیں کروں گا۔ ایک نہ مانی۔ توبہ،

(وقفہ)

اوہ! یہ رہی پنسل، اتنی دیر میں تو غزل کہہ لی ہوتی ؛

(کاغذ پنسل لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ اتنے میں دروازہ کھلتا ہے اور بیگم اندر آجاتی ہے)

بیگم :- اتنی دیر سے کہوں ہوں آتا نہیں۔ اب بیٹھ کر اپنا سر کھاؤں کیا

کرو ہو؛

پریشان :- (ہاتھ جوڑتے ہوتے) اے بی، خدا کے لئے ذری کی ذری تھم جاؤ۔ ابھی لاتا ہوں۔ جاؤ بھئی ایک دس منٹ کی بات ہے ——— جاؤ؛

بیگم :- اچھا! ہمارا کیا دے، خود بھکوں مرو ہو؛

(چلی جاتی ہے، پریشان جھلاتا ہوا خود دروازہ بند کر دیتا ہی)

پریشان :- (خود سے) کیا نامعقولیت ہے؛

(وقفہ)

یہ مشاعرے والے بھی عجیب ہیں۔ آج بھی وہی آتش و ناسخ کا زمانہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ دنیا اتنی بدل گئی، تخیلات میں اتنی ترقی ہو چکی۔ لیکن یہ ہیں کہ ایسے اوٹ پٹانگ مصرعے دیئے جا رہے ہیں۔ اب اس طرح پر کوئی غزل کہے تو خاک کہے۔ اچھا! کیا کیا جائے، کہنی ہی پڑیگی ——— زندگی کے لئے ——— روشنی کے لیے اونہہ ——— توبہ ہی بھلی ہے ———

(گنگنانے لگتا ہے ——— اوں ہوں ——— اوں ہوں ——— اوں ——— اوں ——— اونہوں، اونہوں؛

(مصرع لکھتا ہے اور گنگناتا ہے، ستاروں کی روشنی کے لیے، چراغ پا ہوں ستاروں کی روشنی کے لئے۔

(خود سے) چراغ پا ہونا ہے تو درست محاورہ، لیکن ہے فارسی کا، کچھ ٹھیک نہیں بیٹھتا، تڑپ رہا ہوں ٹھیک رہیگا۔ ہے

تڑپ رہا ہوں ستاروں کی روشنی کے لیے

ہاں، ہاں، تڑپ رہا ہوں ستاروں کی روشنی کے لئے

ہوں ہوں، اوہنوں اوہنوں ہوں زندگی کے لئے

کہ موت ہے، ہوں ہوں اوہنوں ہوں زندگی کے لئے

کہ موت ہے شب تاریک زندگی کے لئے

واہ کیا خوب مطلع ہو گیا ہے (گاتا ہے)

تڑپ رہا ہوں، ستاروں کی روشنی کے لئے

کہ موت ہے شب تاریک زندگی کے لئے

(دروازہ کھلتا ہے، پریشان سر اُٹھا کر دیکھتا ہے) اوہ!

بیگم :- کیا گا رہیں تھیں آپ؟

پریشان :- (مسکراتے ہوئے) کچھ نہیں، شعر کہا ہے ایک، لیکن اگر تھوڑی ٹھہر جاؤ تو غزل ابھی ابھی مکمل کئے لیتا ہوں، ہاں —— میری جان بہت اچھی ہو تم ؛

بیگم :- میں کچھ نہ بولوں، قسم اپنے سر کی، میں سڑی تھوڑی ہوں، تم شعر کہو، میں دیکھوں، ہوں شعر کیسے کہو رہو، چپکی بیٹھی رہوں ہاں قسم ؛

پریشان :- اچھا، بس چپکی بیٹھ ہی جاؤ ؛

(بیٹھ جاتی ہے، پریشان گنگنانے لگتا ہے)

اوہنوں، ہوں، اوہنوں ہوں —— میری بانسری کے لئے

یہ نغمہ —— ہاں —— یہ نغمہ ہوں —— میری بانسری کیلئے

ہاں ہاں —— یہ نغمہ خوب نہیں، میری بانسری کے لئے

ہاں نہ پھونک —— ہاں نہ پھونک، میری لگا ہوا میں ——

ہاں نہ پھونک، میری لگا ہوا میں ؛

سوز — سوزِ ناکامی — ہو، ہاں ہ

نہ پھونک میری نگاہوں میں سوزِ ناکامی
یہ نغمہ خوب نہیں میری بانسری کے لئے
(بیگم سے مخاطب ہوکر) سُنا تم نے کیسا اچھا شعر کہا ہے، سُنو،
نہ پھونک میری نگاہوں میں سوزِ ناکامی
یہ نغمہ خوب نہیں میری بانسری کے لئے

بیگم:۔ ہم کیا جانیں یہ بانسری وانسری کیا ہووے ہے۔ ہم تو یو دیکھیں ہیں کہ کچھ کھانے کو لا دو ہو تم کہ نہیں؟

پریشان۔ بس تمہیں تو خدا نے کھانے اور لغو باتوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ ذرا طبیعت موزوں ہوئی اور تم بیہودہ بولنے لگیں۔ اے بی۔ خدا کے لئے باورچی خانے میں جا کر بیٹھو یا سو رہو، اٹھوں گا تو کھانے کو کچھ۔ لے آؤں گا۔ یہ داد دیگی مجھے — جاؤ خدا را جاؤ؟

بیگم۔ گھنے شاعر بنے پھریں ہیں آپ، ہماری ہمیلی بنو بی کہے تھی۔ اس کے خالو شاعر ہیں، پھر شاعر آپ کیسے ہوویں ہیں؟

پریشان۔ دیکھو جی! دنیا میں ایک ہی شخص شاعر نہیں ہوتا۔ یہ کس پاگل نے تمہیں بتایا ہے۔ بنو بی کے خالو شاعر ہونگے۔ لیکن یہاں تو ایسے ہزاروں شاعر پڑے جوتے چٹخارتے ہیں؟

بیگم۔ پڑے ہوں، پر یو شاعری تو ہماری سمجھ میں نہ آوے، یو نغمہ، یو بانسری جانے کیا بلا ہووے ہے یہ نگوڑی شاعری، ہمیں تو یہ گانا اچھی لگے ہے
ننھی ننھی کلیوں میں چھن چھن بھنورا ڈولے
لوگوں کا دیا بھنگ ڈولے

راجہ رائے رانی کہلوائے
چھیری کا جایا گاؤم
گھوری کا جایا ایل بچھیرا
جگ میں کھیلے چوگان

یہ شاعری ہے، پڑ سے مجے کی، ہماری اماں گاوے تھی،

گھوم گھوم دودھ بلووے
جاٹنی کا چھورا رووے
رووے ہے تو رونے دو
موکو دودھ بلونے دو

یہ شاعری ہے، آپ جانیں کیا لکھیں ہیں!

پرلیشان۔ خدا کے لئے چھوڑو اس تنقید کو، کچھ کام بھی کرنے دوگی کہ نہیں، ہماری شاعری تمہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی نہ سہی، دنیا کو تو اچھی لگتی ہے۔ مشاعرے میں چل سکتیں تو دیکھتیں، کیا رنگ باندھتا ہوں لوگوں کو مٹھیا دیتا ہوں، بس ہر طرف سے واہ واہ کے دونگڑے برستے ہیں۔ لوگ تو میری شاعری کو الہام سمجھتے ہیں۔ تم ٹھہریں گیہاتن کیا جانو ان باتوں کو!

بیگم۔ بڑے آئے شہری، اپنی اماں کو یہاں بلاتے شرماویں ہیں، اور شہری بنے پھریں ہیں، ہم نہ سنیں ایسی باتیں۔ (رونی صورت بنا کر) ہمیں ہمارے باوا کے ہاں چھوڑ آؤ جی، ہم نہ سنیں ایسی باتیں تمہاتی ہیں سو بار ہیں، بنے پھرے ہیں شاعر، ہم میکے چلی جاویں، یہ باتیں روج روج نہ سنی جاویں ہم سے۔ کاہے کو لائے تھے ہمیں (رونے لگتی ہے)

پریشان۔ اللہ میری توبہ۔ کیا مصیبت مول لے لی ہے (بیگم سے مخاطب ہو کر) بیٹھ کر روؤ بتو بی کے خالو کی جان کو۔

بیگم۔ پڑے روؤ و اپنی جان کو۔

(باہر چلی جاتی ہے، سسکیوں کی آواز، پریشان خاموش بیٹھا ہے)

(وقفہ)

(دروازے پر دستک، باہر دو آدمیوں کے ہنسنے کی آوازیں)

ایک آواز۔ پریشان صاحب۔

(پریشان جلدی سے اُٹھ کر اندر بیگم کے پاس جاتا ہے)

پریشان۔ (بیگم سے) بھئی خدا کے لئے بات کو جانے دو۔ چلو میری خطا سہی، دیکھو میرے ملنے والے آئے ہیں۔ اب چپ رہنا، اچھا، دوسروں پر گھر کی باتیں ظاہر نہیں ہونی چاہئیں۔ سُنا (منت سے) بس بس (آنسو پونچھتا ہے) بیگم ہچکیاں لے رہی ہے۔ دروازے پر دستک تیز ہو جاتی ہے۔ باہر سے آواز آتی ہے، پریشان صاحب! (آواز پہلے سے کہیں زیادہ بلند)

پریشان۔ (وہیں سے) آیا بھئی (بیگم سے) تمہیں میرے سر کی قسم جواب بولیں، دیکھو نا میرے دوست آئے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے تماشا اچھا نہیں۔

بیگم۔ (بگڑتے اور بسورتے ہوئے) پڑیں (ہچکی) چولھے میں جاویں تمہارے دوست۔

پریشان۔ بس اب جانے بھی دو، ہو گیا نا۔

(اندر چلا آتا ہے، دروازہ بند کرتے ہوئے) آیا بھئی۔

(باہر کا دروازہ کھولتا ہے)

پریشان۔ آخاہ! جناب گرداب ہیں، آداب عرض ہے؛

گرداب۔ آداب عرض کرتا ہوں۔ ان سے ملیئے (اشارہ کرتے ہوئے

جناب ارشد دریاپوری؛

(دونوں) آداب عرض؛

پریشان۔ بڑی مسرت ہوئی ہے آپ سے مل کر۔ آپ کا کلام تو عرصے

سے دیکھ رہا تھا۔ اور آرزو تھی کہ آپ کے نیاز حاصل کروں (کمرے

میں آتے ہوئے) سو وہ آج پوری ہوگئی؛

آیئے نا! تشریف رکھیئے؛

ارشد۔ آپ کی نوازش ہے پریشان صاحب، ورنہ ع

میں جانتا ہوں خوب کہ ہوں کس شمار میں

پریشان۔ آپ کا حسنِ ظن ہے۔

گرداب بھئی یہ حسنِ ظن میں ظن 'ظ' سے ہے یا 'ز' سے؛

(تینوں قہقہے مار کر ہنستے ہیں)

اچھا بھئی اور کہیئے۔ شادی کیسی رہی، واللہ جس دن سے شادی ہوئی

تم تو عید کے چاند بن گئے۔ اور وہ محفلیں بھی سونی ہوگئیں، کیا خوب

شعر ہے کسی کا ے

رہا کیا صحبتِ دیرینہ جو یاد آتی ہے
چشمِ تر صورتِ پیمانہ چھلک جاتی ہے

ارشد۔ واہ واہ کیا شعر ہے

پریشان۔ کس کا ہے بھئی؟

گرداب۔ کچھ ٹھیک سے یاد نہیں۔ ہاں اور آپ نے اپنی بیگم صاحبہ

کے متعلق تو کچھ فرمایا ہی نہیں۔ کہیئے کیسی گزر رہی ہے؟

پریشان۔ صاحب! ایمان کی تو یہ ہے کہ دنیا میں بیوی بہشت ہے، نہ جانے اس کے بغیر زندگی کیسے بسر ہوتی رہی، واللہ اتنی چاہنے والی اور باسلیقہ عورت کا ملنا بہت مشکل ہے، بہت باتمیز اور مؤدب ہے، اور بات دراصل.......

(اندر سے ہچکیوں کی آواز آتی ہے)

گرداب۔ یہ آپ کے ہاں....... (کہتے کہتے رک جاتا ہے)

پریشان۔ (بھانپ کر) ہاں ہاں کوئی بات نہیں، گھر میں چوہے زیادہ ہو گئے تھے، سوچا ایک بلی پالی جائے، کل ایک صاحب بلی دے گئے لیکن اس کمبخت نے چیخ چیخ کر گھر کو سر پہ اٹھا رکھا ہے۔

گرداب۔ خوب! لیکن آپ کے پڑوسی تو یہی سمجھتے ہوں گے کہ آپ بیگم کو مار رہے ہیں۔ (تینوں ہنستے ہیں)

پریشان۔ اور ہاں آپ چائے تو پیجیے گا؟

گرداب۔ کیوں نہیں صاحب، چائے اور بھابی جان کے ہاتھ کی۔ کیوں نہیں پیئں گے، کیوں ارشد صاحب!

ارشد۔ ہاں صاحب، جو نیت امام کی۔

(ہنستے ہیں، پریشان اٹھ کر اندر چلا جاتا ہے دروازہ بند کرنے کی آواز)

پریشان۔ (بیگم سے) کہا نہ تھا کہ اب کی چپکی رہنا، پھر وہی بات، میری قسم جانے دو، اٹھو، ذرا چائے بنا دو۔ میرے دوست آئے ہیں، کیا کہیں گے؟

بیگم۔ پڑے کہیں، ہم نہ اٹھیں گی، بھاڑ میں جا دیں یہ دوست، نگوڑے

اُٹھائی گیرے، نہ کام کریں ہیں نہ کاج، آجاویں ہیں، سراں تھوڑی ہے۔ (وقفہ) پہلے بگڑیں ہیں، بھیتر باتیں بتاویں ہیں؛

پریشان۔ دیکھو نا! آخر میری عزت؛

بیگم۔ (بات کاٹتے ہوئے) عجت جاوے چلہے میں، چاء میں عجت پڑی ہے عجت لئے پھریں ہیں۔ نوں کرو ہو تو ابھی ان خدائی خواروں کو رستہ بتاؤں ہوں؛

پریشان۔ دیکھو جی! میں ابھی ابھی تمہاری تعریف کرکے آیا ہوں، میں نے کہا ہے کہ یہ چاء بہت اچھی بناتی ہیں۔ اب میرے کہے کی لاج رکھو، اب چاء نہ بنی تو بہت بُری بات ہوگی؛

بیگم۔ ہو پڑی، ہم سے نہ بنے، لو بھلے ہم سے، ان مسر سڑوں کو چاء پلواؤ، ہمیں جھکوں مارو؛

پریشان۔ میری جان مان بھی جاؤ۔ شاباش، بہت اچھی ہو تم، (لجاجت سے) میں جاتا ہوں، تم چاء تیار رکھنا۔ دُودھ ہے نا مری جان؛

(اُٹھ کر اندر جانے لگتا ہے)

بیگم۔ (غصے سے) ہم سے نہ بنے چائے وائے؛

پریشان۔ نہیں نہیں (کہتا ہوا اندر چلا جاتا ہے۔ اور دروازہ بند کر دیتا ہے)

پریشان۔ معاف کیجئے گا۔ مجھے کچھ دیر سی ہوگئی۔ ہاں! تو ارشد صاحب ع

جب تک شراب آئی کئی دور ہو گئے

کچھ ارشاد ہو جائیے؛

گرداب۔ ہاں ارشد صاحب، کچھ فرمائیے۔

ارشد۔ مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ میری بیاض میرے

پاس نہیں۔ اور شعر مجھے یاد نہیں رہتے۔ البتہ ایک آدھ غزل کے کچھ شعر یاد ہوں گے، عرض کئے دیتا ہوں، تعمیل ارشاد میں۔

پریشاںؔ۔ فرمائیے!

ارشدؔ۔ مطلع عرض کرتا ہوں۔ (ترنم سے)

سہنا ہے غم اگر تو غمِ زندگی سہی
مرنے کو کیا ہے موت نہیں خودکشی سہی

گردابؔ۔ واہ، سبحان اللہ! کیا مطلع ہے۔ واہ وا، کیا کہنے ہیں داد نہیں دی جاسکتی!

پریشاںؔ۔ رنگِ خاص ہے صاحب! آہاہا۔ کیا اثر میں ڈوبا ہوا مطلع فرمایا ہے۔ دو مصرعوں میں نقشہ کھینچ دیا ہے۔ آہاہا۔ لطف آگیا، مکرر فرمائیے!

ارشدؔ۔ آداب عرض، آداب عرض، بندہ نوازی ہے

سہنا ہے غم اگر تو غمِ زندگی سہی
مرنے کو کیا ہے موت نہیں خودکشی سہی

اور۔ میں جا رہا ہوں آنکھ میں آنسو لئے ہوئے
تیری اگر یہی ہے تمنا یہی سہی

پریشاںؔ۔ غضب کا شعر ہے بھئی۔ حسنِ ادا قیامت ہے۔ شعر نہیں تصویر ہے۔ واہ وا، واہ وا!

ارشدؔ۔ عنایت، بندہ پروری، ایک شعر شاید اور یاد ہو!

پریشاںؔ۔ ضرور، ضرور!

ارشدؔ۔ عرض کرتا ہوں۔

ہر سانس ایک رقصِ مسلسل ہے موت کا
قربانِ عشق! میری یہی زندگی سہی

پریشان - واہ کیا خوب کہا ہے۔ کوئی اور کہے تو خون تھوک دے، میری یہی زندگی سہی، واہ واہ وا، بہت بڑا مضمون باندھ دیا ہے آپ نے، کمال کر دیا ہے واہ واہ،

گرداب - حقیقت نگاری کا کمال ہے، سحر کاری ہے، سحر کاری، ارشد صاحب آپ ہی کا حصہ ہے۔

ارشد - آپ حضرات کی کرمفرمائی ہے، باقی کی تمام غزل بھول گیا ہوں، اب پریشان صاحب کچھ فرماویں تو........

پریشان - (بات کاٹتے ہوئے) میں بھی عرض کئے دیتا ہوں۔ لیکن ذرا چائے کا دور ہو لے۔ دو ایک غزلیں کہی ہیں خاصی ہو گئیں ہیں۔

ارشد - ہاں صاحب مجاز جب حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے تو خوب گُل کھلاتا ہے۔

(ہنستے ہیں)

پریشان - میں ابھی حاضر ہوا، زحمتِ انتظار معاف۔

گرداب - کوئی بات نہیں۔

(پریشان اندر جاتا ہے، دروازے کے پاس بیگم کھڑی ہے، دیکھتے ہی لڑنے لگتی ہے)

بیگم - (بلند آواز سے) گئے ہیں یو اٹھائی گیرے کہ نا، باتیں بناؤ ہو کہ برقع اٹھا گھر جاؤوں، یو پچھن ہمیں نہ بھاویں ہیں۔

ہو گئے۔ کیا کہتی ہو، نادان بن گئی ہو؟

بیگم۔ (آہستی آواز سے) ٹھکتے بیٹھے بیٹھے جی ہلکان ہو لیا، پیٹ درد کرے سو ہو اور لو دیکھو ——— رونے لگتی ہے (اونچی آواز سے) یوروج رنج کی باتیں ——— لو تو نہ سنا ہم نے، مجکوں مار دیا ——— اباآ سے کہہ سن کر خبر لوں ہوں تمہاری ———

پریشان:۔ (چوٹی سے پکڑ کر گھسیٹتا ہے) چپ بھی کریے گی کہ نہیں، ایک بار نہیں سو بار کہا ہے کہ باہر لوگ بیٹھے ہیں لیکن بیوقوف کہیں کی بکتی چلی جا رہی ہے؟

بیگم۔ (چیخ کر) اللہ دیدے پھوٹیں، ہاتھ ٹوٹیں ——— اللہ میرے ہمیں مارے ہے، کوئی بچاؤ ———

(کمرے میں گرداب اور ارشد سن رہے ہیں۔ ارشد معنی خیز نظروں سے گرداب کی طرف دیکھتا ہے)

ارشد۔ گرداب صاحب! یہ بلّی تو باتیں بھی کرتی ہے، سن لیں آپ نے اس بھشتِ بریں کی باتیں، باسلیقہ ہے، باتمیز ہے، مؤدب ہے ——— (ہنستا ہے)

گرداب۔ ایسوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ شہر بھر کے شرفا کی عورتوں پہ تہمت لگاتا تھا۔ جانتے نہیں تم، خانصاحب علیلی خاں نے دہلی میں اس کی دعوت کی۔ وہاں سے آتے ہی اس نے مجھ سے کہا "بیگم علیلی خاں ہم پر لٹو ہو گئیں"، شکل دیکھتے ہو اس کی ——— خیر ہمیں اس سے کیا؟

ارشد۔ خوب، لیکن مجھی عورت خطرناک معلوم ہوتی ہے، کہیں ہم پہ نہ برس

پڑے۔ بہتر یہی ہے کہ عزت سنبھال کر یہاں سے چل دیں۔ چائے تو خیر کیا پئیں گے؟

گرداب۔ لیکن پریشان سے تو کہہ لیں۔

ارشد۔ نا صاحب، چل ہی دیجئے —— آوازیں قریب آ رہی ہیں، کہیں اندر ہی نہ چلی آئے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ بے بھاؤ کی نہ پڑیں اس کے ہاتھوں؟

گرداب۔ تو اچھا صاحب چلئے —— ہاں تو کیا شعر تھا آپ کا؟

میں جا رہا ہوں آنکھ میں آنسو لئے ہوئے
تیری اگر یہی ہے تمنّا یہی سہی

(دونوں ہنستے ہیں اندر سے بیگم کی آواز آتی ہے) مُردار، گدھے سوار (دونوں بھاگ کھڑے ہوتے ہیں)، دروازہ بند کرنے کی آواز)

دوستی (منظوم)

افراد

راوی ——————————

حامد ——————— } دو دوست

محمود ———————

دو فقیر، دو مغنّی اور

نجمہ ——————— محمود کی بیوی

راوی :- حکایت اک سناتا ہوں سُنو، دوست!
کسی اک شہر میں رہتے تھے دو دوست
محبت کے وہ دونوں تھے پجاری
محبت اُن کی تھی بے اختیاری
لڑکپن سے رہے باہمدگر وہ
نہ تھے بیگانہ خُو و خود نگر وہ
وہ دونوں نوجواں تھے خوبرُو تھے
سراپا ماہ پارے مُو بمُو تھے
وہ اِک حامد جواں سال و جواں بخت

وہ اِک محمودِ خوش خو، کامراں بخت
سُنو اک دن ہُوا کرنا خدا کا
کہ جب محمود، حامد کے گھر آیا
تو پایا اُس کو اِک آفت کا مارا
بھڑک اُٹھا نگاہوں میں شرارا
(گلی میں دو فقیر گاتے ہوئے بھیک مانگ رہے ہیں)

دیتا جا خیرات ــــــ بابا
سُکھ نہ جانے دھنی نِرَدھنی، اور دُکھ پوچھے نہ ذات
پریم نہ دیکھے روپ کو، لاکھوں کی اِک بات
دیتا جا خیرات ــــــ بابا
روپ نہ مانے دان کو، دھوپ نہ دیکھے چھایا
دولت دو آنکھوں سے اندھی اور سپنے کی مایا
اس کی جیت بھی مات ــــــ بابا
دیتا جا خیرات ــــــ
دیپک اگنی پریم کی، ہر کوئی اسے جلائے
پھونک پھونک کر سانس لے، جلے مگر نہ بجھ جائے
کچھ آئے نہ ہات ــــــ بابا
دیتا جا خیرات ــــــ

حامد:۔ میں کس آرزو کے سہارے جیوں گا
مجھے اب کوئی آرزو کس لئے ہو
مسرّت کی صورت نہیں کوئی باقی

دلِ پارہ پارہ رفو کس لئے ہو

اگر بھولنا بھی مقدر نہیں ہے
تو پھر دَورِ جام و سُبو کس لئے ہو

مجھے زندہ رہنے دو اس بیکسی میں
مرے عشق کی آبرو کس لئے ہو

تلاشِ مسرّت میں پھرتی ہے دُنیا
نہیں وہ تو پھر جستجو کس لئے ہو

محمود:۔ آ اِدھر آ، مجھے ہر بات بتا دے اے دوست
اپنی نظروں کا فسانہ بھی سُنا دے، اے دوست
میں ترے غم کے لئے جان کو کیا سمجھونگا
چاک ہے دل تو گریبان کو کیا سمجھوں گا
تیری خاطر مجھے ہر رنج گوارا ہے دوست!
میرا احساس ترے غم کا سہارا ہے دوست
آ اِدھر آ کہ تری ساری بلائیں لے لوں
میں ترے واسطے دنیا کی جفائیں لے لوں

راوی:۔ یہ کہہ کر وہ ہُوا مغموم و دل گیر
بنا گویا ملال و غم کی تصویر

حامد:۔ نہ پوچھ مجھ سے مرا حالِ زار رہنے دے
شریکِ درد نہ ہو غمگسار رہنے دے
ملا ہے مجھ کو وہ غم اپنے دل کے ہاتھوں سے
کہ اب کسی پہ نہیں اعتبار رہنے دے

محمود:- میں تمہارا ہوں، جانتے ہو مجھے
دوست، تم دوست مانتے ہو مجھے
مجھے تلقین ایسی باتوں کی
پھر توقع ہے کیسی باتوں کی

راوی:- بعد اصرار اُس نے بات مانی
سُنائی اپنی اُلفت کی کہانی

حامد:- اے جانِ دوست، کل مجھے کیا جانے کیا ہوُا
بجلی تھی آسماں پہ خدا جانے کیا ہوُا
دل کا دھوُاں کل عالمِ امکاں پہ چھا گیا
اِک بگوُل اُٹھ کے سارے گلستاں پہ چھا گیا
مَیں آ رہا تھا سیر سے کل کیا کہوں نہ پُوچھ
آئی جو راستے میں اجل کیا کہوں نہ پُوچھ
اِک نازنیں نے لُوٹ لیا ہے قرارِ زیست
اُس کے بغیر دل میں کھٹکتا ہے خارِ زیست
دیکھا نہیں ہے مَیں نے اُسے، یہ کمال دیکھ
لیکن ثبوتِ عشق میں تو میرا حال دیکھ
قد اُس کا وہ کہ گویا خراماں تھی خود بہار
وہ اُس کا نازِ حُسن کہ عقل و خرد نثار
مَیں اُس کے بانکپن پہ فدا ہو کے رہ گیا
یعنی حضورِ حُسن دوتا ہو کے رہ گیا
گر تجھ کو دوستی کا گماں ہے تو کام آ
گر تجھ کو کوئی پاسِ زباں ہے تو کام آ

راوی :- مگر اُس کو خبر اس کی نہیں تھی
کہ وہ کس خاتمِ دل کا نگیں تھی

پتہ اُس کا نہ تھا وہ سروِ رعنا
کہاں سے آئی تھی بن کر تماشا

مصیبت ہوگئی لیکن جوانی
محبت تھی بلائے ناگہانی

یُونہی روتے ہوئے کچھ روز بیتے
نہ موت آئی اُسے یُوں جیتے جیتے

بالآخر ایک دن محمود آیا
دل افگار و پریشاں حال و تنہا

مگر وہ محرمِ اسرارِ اُلفت
رضائے دوست کو سمجھا حقیقت

لبوں پر مسکراہٹ لا کے بولا
لبِ اظہار پھر نرمی سے کھولا

محمود :- مبارک ہیں تیری جانِ بہاراں کی خبر لایا
مبارک ہو کہ میں اُس ماہِ کنعاں کی خبر لایا
نشاطِ زندگی کی چار گھڑیاں ہی غنیمت ہیں
مبارک ہو کہ میں اُس راحتِ جاں کی خبر لایا
غمِ اُلفت کا انجام علش باقی ہونیوالا ہے
کہ میں اُس تیرے صد رشکِ گلستاں کی خبر لایا

راوی :- سُنی جب یہ خبر اس دل رُبا کی
تو اس مغموم نے محفل بپا کی

بُلائے دُور سے اُس نے مغنّی
لگی دل کی مٹے نے سے بجھائی
(مغنّی گیت گا رہا ہے)
(مغنّی) ہار کے جیتے جوگی
دونوں ـــــ دونوں پریم کے روگی
جس کے ایسے ہوں من موہن
وہ دکھیا کیا ہوگی
وہ دکھ کو کیا جانے ـــــ راگی ـــــ
چھیڑ نہ راگ پرانے

۲ ـــــ

ایک ہوئے دو تن من
من کی ـــــ دُور ہوئی ہے اُلجھن
دو شمعیں کافور ہوئی ہیں
نئے دیئے ہیں روشن
نئے ہیں اب پروانے ـــــ راگی ـــــ
چھیڑ نہ راگ پُرانے
حامد۔ (محمود سے) اپنا خیال اب تو مجھے کم سے کم نہیں
تنہا ہوں میں تو میری خوشی غم سے کم نہیں
یہ محفلِ نشاط یہ ہنگامۂ طرب
اُس کے بغیر نالہ ماتم سے کم نہیں
محمود:۔ ٹھہر ٹھہر کہ تری مستِ ناز آتی ہے

جلا کے آج چراغِ نیاز آتی ہے

خوشی منا کہ ترے گلستاں کی بادِ مراد

چرا کے آج ستاروں کا راز آتی ہے

راوی :- مسرت کی گھٹا لہرا کے برسی

چھلکتی رہ گئی وہ چشمِ ترسی

دکھائی رات نے پہر انتظاری

گھڑی بھر تھی گئی عمروں پہ بھاری

ہوئی آخر کئی صدیوں میں جب رات

ہوئی پوری ارادت کی کرامات

ادا سے ، ناز سے آئی وہ شہناز

کہ جیسے چپکے سے چھیڑے کوئی ساز

ہجومِ نغمہ و گل لے کے آئی

سفینہ رنگ و بو کا کھے کے آئی

تماشا بن گئے دیوار و در سب

چمک اٹھا یکایک گھر کا گھر سب

وفورِ شوق سے دیوانہ تھا وہ

دلِ مخمور کا افسانہ تھا وہ

مزے لے لے کے گا نا گا رہا تھا

وہ گانا مستیاں برسا رہا تھا

~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~

گیت

حامد :- آج تو دُنیا میری ہے
آج مرے گھر آئے ساجن
آج تو دُنیا میری ہے

آج ہے میری ساری دُنیا
آہا اچھوتی، نیاری دُنیا
مَیں من موہن پر واری ہوں
لیکن مجھ پر واری دُنیا

آج تو آخر راہ پر آئے
آج مرے گھر آئے ــــــ ساجن
آج تو دُنیا میری ہے

نغموں کی برسات ہے ہر سُو
گائے آج پپیہا ... پیہُو
کوئل میرا گیت سُنائے
اور جگائے بُلبُل جادُو

دل کی ہر اُمید بر آئے
آج مرے گھر آئے ــــــ ساجن
آج تو دُنیا میری ہے

راوی :- اگرچہ گھر کا یہ عالم تھا لیکن
یہاں تو لے کا زیر و بم تھا لیکن

وہی محمود جو لایا تھا وہ حور
پریشان خاطر و گھبرایا و مجبور
بحالِ زار باہر تھا مکاں سے
نہ نکلا ایک لفظ اُس کی زباں سے
وہ چوکھٹ پر کسی درباں کی صورت
پڑا تھا حسرت و ارماں کی صورت
اُٹھایا خنجرِ خونخوار اُس نے
کیا یوں والِہ اظہار اُس نے

غزل

محمود:۔ مجھے دوستی آزمانے لگی
مری آج منت ٹھکانے لگی
بلند از مقامِ خرد ہے عندلیب
محبت کرشمے دکھانے لگی
یہ دریائے ہستی کہ پایاب ہے
مری ناؤ کیوں ڈگمگانے لگی
وہ رازِ محبت جو سینے میں تھا
تری دوستی کھلوانے لگی
وضو کر چکے آبِ خنجر سے ہم
اجل دیکھ کر مسکرانے لگی
ظفر موت کچھ بھی نہیں — دوستی
مجھے غنچہ فانی بنانے لگی

راوی :- یہ کہہ کر اس نے خنجر کو اٹھایا
اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگایا
وہ خنجر اس نے پھر سینے میں گھونپا
محبت سے جنوں کے گھاٹ اترا
لبوں سے چیخ نکلی آہ کے ساتھ
ہوا واصل وہ خود اللہ کے ساتھ
سنی نجمہ نے جب آواز اس کی
سمجھ میں آ گیا انداز اس کی
چلی آئی اجازت لے کے باہر
وہاں پایا پڑا مقتول شوہر
وہ پروانہ تھا شمعِ دوستی کا
یہی تھا راز اس کی زندگی کا
کہ بیوی تھی وہ اس ایثار جو کی
جو اب نذرِ نیازِ دوستی تھی
یہ عالم دیکھ کر وہ ماہ سیما
دعا کرنے لگی "بارِ الٰہا"

نجمہ :- دیکھ یوں قربان گاہِ عشق پر چڑھتے ہیں ہم
دیکھ لے ایسے رہِ ایثار میں بڑھتے ہیں ہم
اب ہمیں اپنے جوارِ لطف میں آباد کر
اب ہمارے واسطے جنت نئی ایجاد کر

راوی :- ملی شوہر سے وہ پاکیزہ باطن
نچھاور کر دیا غیرت پہ تن من

مگر وہ دوست وہ اُلفت کا روگی
یہی سمجھا کہ اب آتی ہی ہوگی
مگر جب دیر تک اُس کو نہ پایا
تو پھر اُس کے لئے وہ اٹھکے آیا
وہاں دیکھا تماشا اَور کا اَور
سمجھ میں آگیا سب راز فی الفور
محبت پر نچھاور تھے وہ دونوں
یم غم سے رشتہ ور تھے وہ دونوں
تقاضائے محبت کر چکے تھے
محبت ہی کی خاطر مر چکے تھے
(فقیر گلی میں گاتا ہوا آتا ہے)

روپ نہ مانے دان کو، دھوپ نہ جانے چھایا
دولت دو آنکھوں سے اندھی اور سپنے کی مایا
اس کی جیت بھی مات ـــــــ بابا
دیتا جا خیرات

دیپک اگنی پریم کی، ہر کوئی اسے جلائے
پھونک پھونک کر سانس لے، جلے، اگر بجھ جائے
کچھ آئے نہ ہات ـــــــ بابا
دیتا جا خیرات

چار دِن (منظوم)

افراد

راوی

پُشپا، رادھا، کِرشنا، اور اُن کی مائیں

ایک جوان ——— ایک بُوڑھا، ایک راگی، ———

راوی :- جیون کی پربھات

پُشپا :- آؤ ری کھیلیں

دل دل ملیں

کریں کلیلیں

آ ری رادھا، آ ری کرشنا

رادھا :- میں آئی

کِرشنا :- میں آئی، میں آئی

(لڑکیاں گیند سے کھیل رہی ہیں)

رادھا :- دھاپ دھاپ دھاپ دھاپ

پہلے کھیلوں گی میں آپ

پہلی پہلی باری پھولوں کی کیاری

پھول کھلیں چمبیلی کے — باڑی کی البیلی کے
باڑی میرے باگ میں — دال پکاؤں ساگ میں
ساگ کے دو پتے ہیں — ماموں مرے کلکتے ہیں
ماموں کی اِک موٹر کار — مجھ کو موٹر سے ہے پیار
موٹر کرتی بھاؤں بھاؤں — میں موٹر پہ آؤں جاؤں

دھاپ دھاپ دھاپ دھاپ
پہلے کھیلوں گی میں آپ

پُشپا :- میری رادھا رانی جا — میرا گیند جا کر لا
میرا گیند تیا مکورا — میرا بھائی گورا گورا
میرا بھائی گیا کشمیر — وہاں موٹے موٹے بیر
میری بھابی کال کلوٹی — میری کھیر کھا گئی چوٹی

رادھا کی بہن :- رادھے ری رادھے
رادھا :- آئی بہنا آئی
پُشپا کی ماں :- پشپا ری پشپا
پُشپا :- جی ماتا جی
راوی :- جیون کی پربھات ——————

دن نکلا

—————— وقفہ ——————

راوی :- بہار نیم رس کی وہ پہر یعنی جوانی ہے
ایک جوان :- اِدھر شباب اُدھر ابر بہار ہے ساقی
جو چاہے کر کہ تجھے اختیار ہے ساقی

رگوں میں خوں ہے کہ بجلی سی موجزن ہے کوئی
فضائے سادہ ہے یا رقص میں چمن ہے کوئی

ابل رہی ہے جوانی مچل رہی ہے بہار
نظر میں ہے مری منظر نیا نیا ہر بار

نئی زمیں ہے نیا آسمان ہے پیدا
سکوت میں بھی کوئی داستان ہے پیدا

شبوں کو کوئی میرا نام لینے لگتا ہے
تو میرے دل کا لہو لَو سی دینے لگتا ہے

یہ چاہتا ہوں کہ ہنس ہنس کے اشک برساؤں
یہ چاہتا ہوں کہ رو رو کے مست ہو جاؤں

یہ چاہتا ہوں نئی زندگی کروں پیدا
ہر ایک سائے میں اک روشنی کروں پیدا

وطن کی خاک کا ہر ذرہ ہو چراغ بدست
ادھر چراغاں ہوا اور میں ادھر ایاغ بدست

ادھر غزل کوئی گاتی ہوئی بہار آئے
مجھے پیالہ تو دے ساقیا قرار آئے

(پس منظر میں کوئی یہ غزل گا رہی ہے)

اٹھا جام ابر بہار آ گیا — مرا ذوق مے کامگار آ گیا
مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے — مجھے اُن کی شوخی پہ پیار آ گیا
کیا جب کسی نے محبت کا ذکر — مرا نام بے اختیار آ گیا
وہ آئے تصور میں وعدے کی رات — قسم کا، مجھے اعتبار آ گیا

گھٹا چھا گئی جسم چھلکنے لگا　　جہاں ہوش میں میگسار آگیا
ابھی دم بھی لینے نہ پائے تھے ہم　　کہ در پر غم روزگار آگیا

ظفرؔ دیدنی ہے مرا حالِ دل
کہ وہ آگئے تو قرار آگیا

راوی :- بہارِ سال خوردہ اب کہاں —— دورِ خزاں آیا

ایک بوڑھا :- جل جل بھنورے جل، جل دیپک مسکائے

شام بھئی اب کیسا جینا، کیا جلنے کا سپنا ہے
بالک پن کیا، کیسی جوانی، کون کسی کا اپنا ہے
کیا شکتی، کیا بل

جل جل بھنورے جل، جل دیپک مسکائے

دکھی پیڑ کے سوکھے پتے، اک اک کرکے گرتے ہیں
مورکھ ہے نادان یہ سمجھے، سکھ کے دن ابھرتے ہیں
پھیر سمجھ کا، چل

جل جل بھنورے جل، جل دیپک مسکائے

تیرا مان اپمان ہے، تیرا لوبھ کلیش
تو کس پگ پر جائے ہے مورکھ، کون ہے تیرا دیش
تو تو بھیو نربل

جل جل بھنورے جل، جل دیپک مسکائے

دکھ سکھ سہتے بیت گئے یہ جیون چھن پل پل اپنے
میٹھی میٹھی دھوپ میں تو نے دیکھے جھوٹے سپنے
چھوڑ دے سارے چھل

جل جل بھنورے جل، جل دیپک مسکائے

راوی:- خزاں کی رُت گئی ـــــ گئی ـــــ گئی

راوی:- سردی، گرمی، بہار اور خزاں

کس قدر مختصر ہیں یہ عنواں

ان میں پلتی ہے ہر خوشی اپنی

ان میں ڈھلتی ہے زندگی اپنی

کبھی گیتوں کے ساتھ ہے برسات

کبھی گرما ہے اور چاندنی رات

کبھی سردی سے کپکپی طاری

قریب منزل سے بے بسی طاری

پھر خزاں ـــــ ایک موت کا پیغام

جان لیجے کہ آ گیا انجام

تیرگی تیرگی ہے ہر کروٹ

سانس لینے کی بھی نہیں آہٹ

پیکرِ خاک کا ہے یہ مقسوم

مجھ کو کیا آپ کو بھی ہے معلوم

موت کا راگ

بحر کے سینے پر اک کشتی

ننھی مُنّی، ہلکی پھلکی

ریلے ریلے پر لہراتی

موج موج پر نقش بناتی
چلتی چلتی رُک رُک جاتی
کومل تختوں پہ اتراتی
موجوں کے آنچل کو کھینچتی
لہروں پر اِک جال سا بُنتی
لہک لہک کر بہنے والی
موجوں کا دکھ سہنے والی
بہتے بہتے بہہ جاتی ہے
اپنا فسانہ کہہ جاتی ہے
منہ میں گردابوں کے آکر
اپنے پرائے سے کترا کر
لہراتی ہے، چکراتی ہے
ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتی ہے
تختہ، تختہ، بکھرا، بکھرا
یہ ہے اس جیون کا نقشہ
راوی: ہوئی ختم یہ زندگی کی کہانی
انہیں مرحلوں میں کٹی عمرِ فانی

✱

پلیٹ فارم پر......

افراد

عورت ______ بھنگی کی بیوی
بھنگی ______ عورت کا خاوند
کانگرسی نوجوان، مولوی صاحب، تیسرا نوجوان اور دوسرے
افراد جو سفر کر رہے ہیں؛
ٹکٹ بابو ______ اور جوگی

مقام

یو۔ پی کا ایک ریلوے جنکشن، وقت رات کے گیارہ بجے،
ایک گاڑی ابھی ابھی آکر ٹھہری ہے۔ "بیڑی، پان، سگرٹ"
"پوری کچوری" کی آوازیں، مسافروں کی گھما گھمی اور شور،
تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں سے ایک عورت سانولی سلونی،
لیکن حسین، جسم نہایت متوازن، ریشمی لہنگا پہنے، اور اس کے
ساتھ چار پانچ آدمی، ایک مولوی صاحب، ایک کانگرسی نوجوان،

کھدر میں ملبوس، ایک چنچل نوجوان، اور دوسرے اسی قسم کے
حضرات، عورت اپنی گٹھڑی خود اتارتی ہے۔ کہ اتنے میں
ایک نوجوان جس کا لباس نہایت غریبانہ ہے اُس کی طرف
لپکتا ہے)

نوجوان:۔ تو ہے جو کہا کہ نہ جا، نہ جا، تو بھگ آئی ری، چٹیا سے پکڑ باپس
نہ لے جاؤں تو مو کو لچھمن کا جایا نہ کہیو۔

عورت:۔ باپو مر رہے تو کوئی نہ پوچھے، میں کا جانوں تورا کہا، مو سے
تو رہا نہ جائے، چاہے کچھ ہی کر لے، مار دے پر لوٹوں گی نا۔

کانگرسی نوجوان:۔ ابے بد تمیز اس شریف عورت کو کیوں ستاتا ہے
نالائق تھانے جانے کی سوجھی ہے، دیکھ لو جی زمانہ، ذرا کہیں اچھی
صورت دیکھی پھسل پڑے۔

تیسرا نوجوان:۔ ہاں صاحب!

اچھی صورت بھی کیا بُری شے ہے
جس نے ڈالی بُری نظر ڈالی

نوجوان:۔ اجی حجور یو تو ہمری لُگائی (بیوی) ہووے ہے۔ ہم کہیں
ہیں اری نیک بخت گھر چلی چل، پر یو نہ مانے، کہوے ہے باپو کے
یہاں جا کر دم لوں ہوں، اب آپ ہی پھیلسلہ کریں حجور۔

مولوی صاحب:۔ ابے کوئی بات تو ہو گی ہی نا جو یہ جانا چاہتی ہے، تو
اسے مارتا دھارتا ہوگا، ہُوں ـــــــــ یہی بات ہے۔

عورت۔ باجی۔ ہمرے پتا جی بنارس میں مرن جوگ ہوئیے رہے، یہ مورکھ
نا جانے دے، ہم کہیں آکھری بخت تو اُن کا مکھ دیکھ لیویں۔ پر کا

کریں "

تیسرا نوجوان۔ جانے کیوں نہیں دیتا ہے، دیکھتا نہیں۔ بے چاری باپ کے غم میں ہلکان ہوئی جا رہی ہیں۔ اور تو انہیں ایسے میں بھی جانے نہیں دیتا۔ ارے غور کر تیرے ساتھ جو ایسی کوئی بات ہو جائے تو تو کیا کرے؟

نوجوان۔ ہم ٹھہرے ہجور بھنگی، ہجور کے واسس، ٹنڈلہ سٹیشن پر کام کاج کریں ہیں۔ یہ چھوری، ہجور ہم نے آٹھ بیسے (۱۶۰ روپے) میں اس کے باوا کے یہاں سے لی۔ چھ مہینے بھی نہ ہووے ہجور، اب یہ بھاگے ہے کہ دو جا کھسم کرے، اب ہم کیسے جانے دیں، مائی باپ "

مولوی صاحب۔ توبہ توبہ، یہ بہتان۔ ارے کوئی سُن لے گا تو چالان کر دیگا۔ آج کل کے زمانے میں بھی انسان کی خرید و فروخت کرتے ہو۔ اس بے چاری سے تو پوچھ لو۔ کیوں جی یہ ٹھیک کہتا ہے؟

عورت۔ ناججور یہ جھُٹا ہے۔ ہمرا باپو رہا جمادار، ہم کو مسلمان ہیں بابو جی، یو بھنگی، پر باپو نے یونہی بیاہ دیا۔ اب وہ بکھار میں پڑے پڑے رہے پر یہ نہ جانے دے مورکھ "

کانگریسی نوجوان۔ ارے جانے دے، جانے دے۔ یہ دُکھیا ہے اسے نہ ستا۔ چلی آئے گی، ہم کہتے ہیں لوٹ آئے گی "

(پس منظر میں ایک جوگی چمٹے پر گیت گا رہا ہے)

(جوگی کا گانا)

دُکھ جیون کا رس ہے

ٹھوکر کس کا بس ہے

رشتے ناتے سارے جھوٹے
پھوٹے بھاگ کہ اپنے چھوٹے
پھنسا جال میں جب من مُورکھ
بِکس نہ سکتے گُن بُوٹے
جگ سارا بے کس ہے
سُکھ پر کس کا بس ہے ———
دُکھ جیون کا رس ہے

(اتنے میں ایک ٹکٹ بابو ٹکٹ ٹکٹ کرتا چلا آتا ہے۔ کانگریسی نوجوان اور دوسرے تمام لوگ ٹکٹ دکھا دیتے ہیں۔ عورت کا خاوند اُسے دیکھ کر غائب ہو جاتا ہے۔ ٹکٹ بابو عورت سے ٹکٹ مانگتا ہے)

ٹکٹ بابو۔ ٹکٹ!

عورت۔ نا بابوجی، ہم پہ تو ٹکس ناہیں۔ ہجور میں بھنگی کی جورو ہوں۔ ہم لوگ ٹنڈلہ اسٹیسن پہ کام کریں ہیں ——— ٹنڈلہ سٹیسن پہ بابوجی!

ٹکٹ بابو۔ ہم نہیں جانتے۔ ٹکٹ نہیں تھا تو گاڑی میں کیوں سوار ہوئی تھی۔ گاڑی تمہارے باوا کی ہے؟ ٹکٹ دکھاؤ نہیں تو دُگنا کرایہ ادا کرو!

(کانگریسی نوجوان مولوی صاحب کو الگ لے جاتا ہے۔ ٹکٹ بابو عورت کو دھمکا رہا ہے)

کانگریسی نوجوان۔ مولوی صاحب! یہ بے چاری مصیبت میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس کی مدد کرنی چاہئے۔ آخر انسان کو انسان کے کام آنا چاہئے۔

غور فرمائیے اگر ہم لوگ اسی حالت میں ہوتے تو کیا کرتے؟

مولوی صاحب۔ ہاں صاحب۔ میں بھی آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔ ایسے وقت میں تو انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ مدد کی جائے۔ قرآن میں خدا فرماتا ہے کہ مزدوروں اور غمزدوں کی امداد کرو؛

تیسرا نوجوان۔ (قریب آتے ہوئے) ہاں صاحب میں بھی حسب استطاعت مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ان حضرات سے پوچھ لیجئے؛

کانگرسی نوجوان۔ خیر پہلے ٹکٹ بابو سے تو پوچھ لیجئے، کتنے پیسے درکار ہیں۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔ اسی کے مطابق پیسے اکٹھے کرلیں گے؛

مولوی صاحب۔ یہ بہتر ہے؛

(کانگرسی نوجوان ٹکٹ بابو کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جو عورت کو جیل کی ہوا کھلانے کی دھمکی دے رہا ہے۔ دوسرے تمام لوگ عورت کے گرد حلقہ باندھے کھڑے ہیں)

کانگرسی نوجوان۔ آپ اس پر کیوں خفا ہو رہے ہیں بابو صاحب؛

ٹکٹ بابو۔ جائیے! آپ اپنی راہ لیجئے، ایسی ہی ہمدردی ہے تو ٹکٹ کے دام دلوا دیجئے نا؛

کانگرسی نوجوان۔ کیوں نہیں، ہم ادا کئے دیتے ہیں۔ ایسی کونسی بات ہے۔ لیکن آپ کو ہمدردانہ طور پر برتاؤ کرنا چاہئے صاحب، آپ ناحق غریب کو پریشان کر رہے ہیں؛

ٹکٹ بابو۔ تو دہلی سے یہاں تک کا دگنا کرایہ ادا کر دیجئے نا، بڑی ہمدردی ہے آپ لوگوں کو اس سے، میرا کیا مجھے تو اپنا فرض

بکالا ناہے۔ مجھے تو کرایہ چاہئے، کیوں صاحب سمجھے آپ؟

کانگریسی نوجوان۔ (دوسرے لوگوں سے) آیئے صاحب۔ لیجئے میں چار روپے دیتا ہوں۔ مولوی صاحب لایئے آپ کیا دیتے ہیں۔ اور آپ صاحب؟

مولوی صاحب۔ لیجئے میری طرف سے دو روپے شامل کیجئے؟

تیسرا نوجوان۔ یہ لیجئے دو روپے میری طرف سے بھی؟

کانگریسی نوجوان۔ آیئے صاحب، کچھ آپ بھی، ساڑھے چار روپے کی بات ہی کیا ہے۔ ہاں صاحب نیک کام میں ضرور حصہ لیجئے؟

(دوسرے حضرات ایک ایک روپیہ دیتے ہیں)

کانگریسی نوجوان۔ (گِنتا ہے) دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس، گیارہ، اور یہ بارہ ——— آٹھ آنے کی کسر رہ گئی ——— (دوسروں کی طرف دیکھتے ہوئے) تو وہ بھی میں ہی اپنی جیب سے دیئے دیتا ہوں ——— ہاں! تو لیجئے بابو صاحب رسید دیجئے۔ (فخریہ لہجے میں)

ٹکٹ بابو۔ (عورت کو دیکھتے ہوئے) خوب!

(جوگی پس منظر میں چھٹے پر گا رہا ہے)

تُو تو بھیو ناداں ——— او مُورکھ انسان

ایسے روگ لگائے تُو نے ———

بھُول گیا بھگوان ———

او مُورکھ انسان

جگ جھوٹا، نر ناری جھُوٹے

سارے اتیا چاری جھوٹے
سچا نام بھیو، بھگون کا
باقی سب بیوپاری جھوٹے

جھوٹے سب گن گیان
او مورکھ انسان

چلو، چلی کی دُنیا تیری
چاروں اور ہے رات اندھیری
سماں بجوگ کا جب آئے گا
کون سُنے گا تیری میری

کیا دھن، کیا دھنوان
او مورکھ انسان

ایسے روگ لگائے تو نے
بھول گیا بھگوان ———
تو تو بھیو ناوان
او مورکھ انسان

کانگریسی نوجوان۔ خیر! ایک بلا سے تو نجات ملی ہوئی۔ اب آپ آرام سے بیٹھ سکتی ہیں۔ اِدھر آیئے اِس بنچ پر، کہیئے آپ کو کہاں جانا ہے؟

عورت۔ جی! بنارس جاؤ دیں گے ہم۔

مولوی صاحب۔ بنارس؟

کانگریسی نوجوان۔ تو کیا بات ہے مولوی صاحب، آخر آتنے صاحبان

اتنے حضرات یہاں موجود ہیں۔ بنارس جانا ہے تو کیا، کونسی بڑی بات ہے۔ یہ لندن تھوڑی ہے، یہی پانچ سات روپے کی اور ضرورت ہوگی، کیوں جی؟

عورت۔ جی ہاں، بابو جی ——— آپ کی بڑی مہربانی؛

تیسرا نوجوان۔ مہربانی کیسی، یہ تو ہمارا فرض ہے، کیوں مولوی صاحب؛

مولوی صاحب۔ (جیسے کسی فکر میں کھوئے ہوئے ہیں) جی ہاں!

(اِدھر اُدھر کچھ لوگ جو گاڑی کے انتظار میں کھڑے ہیں، آپس میں کھسر پھسر کر رہے ہیں)

ایک۔ واہ بھئی واہ، کیا ہمدردی ہو رہی ہے؛

دوسرا۔ دیکھو، مال تو دیکھو، سونا ہے بھئی خالص سونا ——— مولوی صاحب کو تو دیکھو، کیا لٹو ہو رہے ہیں؛

پہلا۔ اور اُدھر وہ کھدر والے پنڈت جی ——— کیا کہتے ہیں وہ ہاں وہ مُلّاؤں میں مُرغی حرام ——— پرمیشر خیر کرے، کہو بھائی؛

دوسرا۔ (ہنس کر) دیکھو یار، اُسے لاج کا کتنا پاس ہے۔ دیکھو گھونگھٹ کاڑھ رہی ہے۔ وہ ایک شعر ہے نا ؎

پروانوں نے فانوس کو دیکھا تو یہ بولے
کیوں ہم کو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے

دوسرے لوگ کتنے پریشان ہوئے جا رہے ہیں؛

(کانگرسی نوجوان عورت کے پاس بنچ پر بیٹھ گیا ہے۔ دوسرے لوگ حلقہ بنائے بدستور کھڑے ہیں)

کانگرسی نوجوان۔ ہوں ——— تو آپ بنارس جا رہی ہیں، تو صاحب!

پانچ سات روپے کی ضرورت ہوگی، کیجئے ہمت۔

تیسرا نوجوان۔ تو یہ لیجئے دو روپے اور — لائیے میں ہی اکٹھے کئے لیتا ہوں۔

(مولوی صاحب اور دوسرے حضرات چندہ دے کر دوسروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں)

مولوی صاحب۔ ہاں صاحب ہمت کیجئے۔ کوئی بڑی بات نہیں۔ اسلام نے مساوات کا درس دیا ہے۔ سب لوگ برابر ہیں۔ یہاں کوئی امیر غریب نہیں۔ سب بھائی بند ہیں۔ سب کی امداد لازمی ہے۔

کانگریسی نوجوان۔ یہ سمجھ لیجئے کہ کہیں گر گئے، نیک کام کا پیسہ حرام نہیں جاتا۔

تیسرا نوجوان۔ کرایہ کے علاوہ بھی دو ایک روپے کی ضرورت ہوگی، ان کے پاس بھی تو کچھ ہونا چاہیئے۔ سفر لمبا ہے، راستے میں کھانے پینے کے لئے پیسہ تو چاہیئے ہی ہوگا۔

کانگریسی نوجوان۔ ٹھیک فرمایا آپ نے۔

تیسرا نوجوان۔ (پیسے گنتا ہے) بس حضرات بس! بات بن گئی۔ آٹھ روپے، کافی ہیں۔ بہت کافی ہیں۔ (اطمینان سے سر ہلاتا ہے) بس کافی ہیں۔

(جوگی پیسوں کی گفتگو سن کر قریب آتا ہے۔ گیروے لباس میں ملبوس، لیکن شاید آنکھوں سے اندھا ہے، لاٹھی کے سہارے بڑھتا ہے)

جوگی۔ پرمیشر بھلا کرے، داتا کچھ ہمیں بھی مل جائے۔ داتا سکھی رکھے،

بھگوان !

تیسرا نوجوان۔ جاؤ بابا معاف کرو۔

مولوی صاحب۔ اس کی لاٹھی پکڑ کر دوسری طرف کر دیجئے گا، دیکھئے کہیں گر نہ پڑے!

کانگرسی نوجوان۔ ہمارے ملک کی حالت دیکھ لی آپ نے، سٹیشنوں پر بھی اطمینان نصیب نہیں ہونے دیتے۔ رات کے بارہ بج رہے ہیں اور ۔۔۔۔۔۔ وہ آگئی گاڑی، چلئے سامان اُٹھائیے۔

(بنارس جانے والی گاڑی آپہنچتی ہے۔ تمام لوگ اُس طرف بڑھتے ہیں۔ جلوس کی شکل میں عورت آگے آگے ہے، دائیں بائیں کانگرسی نوجوان اور تیسرا نوجوان، پیچھے پیچھے مولوی صاحب پھر وہی آوازیں، پان، بیڑی، سگرٹ، قلی، قلی صاحب)

تیسرا نوجوان۔ ادھر آجائیے، اس ڈبے میں، تقریباً خالی ہے، سفر بہت اچھا کٹ جائے گا۔ آجائیے صاحب!

عورت۔ اچھا جی، ہم ادھر ہی چلی آویں، بابو جی!

جوگی۔ بھگوان بھلی کرے، اندھا ہوں، لاچار، بھگوان بھلی کرے، کچھ اندھے محتاج کو بھی مل جائے، پرماتما بھلی کرے ۔۔۔۔۔۔ رام بھلی کرے (کوئی توجہ نہیں کرتا)

جوگی۔ اندھا بھوکا مر جائے گا بابا۔ ایک پیسہ مل جائے بابا۔ اتنے رام کے بھگت ہیں اور ایک پیسہ نہیں ملا!

(اُسی ڈبے کے آگے پہنچتا ہے، جس میں وہ عورت اور اُس کے ہمسفر بیٹھے ہیں)

جوگی ۔ کچھ تھوڑا اس کو بھی مل جائے۔ کوئی رام کا پیارا ۔ رام بھلی کرے گا بابا؛

عورت ۔ لے بابا۔ (ایک پیسہ دیتی ہے)

جوگی ۔ جیتی رہو، جیتی رہو بیٹی۔ رام اور دے گا —— رام اور دے گا؛

(گاڑی چل پڑتی ہے، پلیٹ فارم پر اکیلا جوگی لٹھ کے سہارے کھٹ کھٹ کرتا چلا جا رہا ہے)

جوگی ۔ چلتی دھوپ ہے رُوپ کی، ڈھلتی چھایا مان
بھیک منگا ہے ہر کوئی، داتا اک بھگوان

—— * ——

(منظوم صورت میں آل انڈیا ریڈیو لاہور سے نشر ہوا)

مشاعرہ

شرکاءِ مشاعرہ

صاحبِ صدر ـــــــــــــ سر غلام حیدر

شعراء

حضرت بیتاب خراباتی، جناب لئیق احمد معجزہ، ڈاکٹر ظہور احمد کلیم، حضرت خان بہادر لطیف بلند شہری، حضرت اکبر نعیم فارسی، جناب کبیر جی، حضرت نجم فاریابی، حضرت فیضان بن خواہش، پروفیسر عرفان کیوانی،

ناظمِ مشاعرہ ـــــــــــــ اور حاضرین

(اس مشاعرے کا مقصد اردو شاعری کی قدیم اور جدید تحریکات کی عکاسیِ محض ہے۔ اور اس کے تمام کردار فرضی ہیں)

ناظم ۔ حضرات! ہماری خوش قسمتی سے ادبِ اردو کے محسن اور ہمارے کرم فرما محترمی جناب سر شیخ غلام حیدر ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اور آپ نے ہماری استدعا کو قبول فرما لیا ہے۔ میں آپ سے درخواست کرونگا کہ آپ کرسیِ صدارت کو زینت بخش کر آج کے مشاعرے

کی کارروائی کا آغاز فرمادیں:

ایک صاحب۔ میں تائید کرتا ہوا عرض کروں گا، کہ قبلہ شیخ صاحب کی سرپرستی ہمارے لئے باعثِ صد فخر ہے۔ اور آج کا مشاعرہ آپ کی ذاتِ بابرکات کی بدولت ایک تاریخی حیثیت اختیار کرلیگا۔

(تالیاں)

مسٹر غلام حیدر۔ حضرات اب سے پہلے مجھے تکیہ تیے کے ناخوشگوار فریضے سے سبکدوش ہونا ہے۔ مجھے اِس مشاعرے کے منتظمین سے گلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ میرے اس سن و سال میں انہوں نے جدید اور قدیم اُردو شاعری کی تحریکات کو پیش کرتے ہوئے مجھے شرفِ صدارت بخشا، میں وقت کے تقاضے سے مجبور ہوں۔ اور ان تحریکات کا بغور مطالعہ نہیں کرسکا۔ اگرچہ مجھے ان سے ہمدردی ہے۔ تاہم آپ کی بزم جس سرگرمی سے ادبیات کی ترقی میں پیش پیش ہے وہ لائق تحسین ہی نہیں قابلِ ستائش ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات مشاعرے کے لئے بے تاب ہیں۔ چنانچہ میں آپ کا وقت ضائع نہ کرتے ہوئے حضرتِ بیتاب خراباتی سے التجا کروں گا کہ وہ اپنے کلام سے ہمیں مستفید فرمادیں۔ حضرت بیتاب ہماری قدیم شاعری کی روایات کے حامل ہیں۔ اور استادِ سخن حضرت داغ کے جلیل القدر شاگرد۔

ناظم۔ حضرت بیتاب خراباتی۔

حضرت بیتاب خراباتی۔ حضرات ایک غزل عرض کرتا ہوں۔ مطلع ملاحظہ ہو:۔ تیرے ہی جلوے شام و سحر دیکھتے ہیں ہم

تجھ کو ہی دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں ہم

حاضرین۔ واہ وا، کیا اندازِ بیان ہے، اے سبحان اللہ، کتنا بلیغ شعر ہے۔ آپ ہی کا حصہ ہے، مکرّر فرمائیے۔

(حضرت بیتاب آداب بجالاتے ہوئے مطلع مکرر پڑھتے ہیں اور لوگ دوبارہ واہ واکا شور مچاتے ہیں)

حضرت بیتاب۔ حسن مطلع عرض کیا ہے۔ ع

کونین آئینہ ہے جمالِ حبیب کا

حاضرین۔ واہ وا کیا بولتا ہوا مصرع ہے، پھر ارشاد ہو۔

حضرت بیتاب۔ کونین آئینہ ہے جمالِ حبیب کا

یعنی خود اپنا ذوقِ نظر دیکھتے ہیں ہم

حاضرین۔ کیا بات ہے، بیتاب صاحب قبلہ، کمال کر دیا آپ نے کتنا اچھوتا مضمون پیدا کر دیا آپ نے، واللہ تعریف نہیں ہو سکتی، اہا ہا کیا کہنے ہیں۔

(بیتاب بار بار آداب بجالاتے ہیں اور مکرّر پڑھتے ہیں)

حضرت بیتاب۔ (وقفے کے بعد) عرض کرتا ہوں۔

رو رو کے کاٹتے ہیں شبِ غم کی ہر گھڑی

مر مر کے زندگی کی سحر دیکھتے ہیں ہم

حاضرین۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ، آپ ہی کہہ سکتے ہیں، "مر مر کے زندگی کی سحر" کیا کہنے ہیں، پھر فرمائیے، کیا ٹکڑا رکھ دیا ہے، کیا تعریف ہو سکتی ہے، اہا ہا ہا، "مر مر کے زندگی کی سحر"۔ اے سبحان اللہ!

حضرت بیتاب۔ لطیف صاحب توجہ فرمادیں۔ شعر عرض ہے۔

لے مانتے ہیں ہم تری رحمت کو بے حساب

لطیف صاحب ۔ واہ کیا مصرع ہے قبلہ، واہ واپھر فرمائیے۔

حضرت بیتاب ۔ لے مانتے ہیں ہم تری رحمت کو بے حساب

لے دیکھ اپنا دامن تر دیکھتے ہیں ہم

لطیف صاحب ۔ مولانا پیغمبری ہے (لطیف صاحب کی داد دوسرے حاضرین کی داد میں کھو جاتی ہے، پھر اُبھرتی ہے) بھائی تم کمال کر دیا۔

بیتاب صاحب ۔ (آداب بجالاتے ہیں) شعر ہوا ہے،

بہر خدا نہ کہیئے کہ اب آ رہے ہیں وہ

یہ دیکھئے کہ جانب در دیکھتے ہیں ہم

حاضرین ۔ کیا انتظار ہے، سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

صاحب صدر ۔ کیا خوب ارشاد فرمایا، مکرر فرمائیے۔

بیتاب صاحب ۔ (آداب بجالاتے ہوئے مکرر پڑھتے ہیں، وقفہ ملاحظہ ہو۔

وہ اور پوچھتے ہیں ہمارے جنوں کا حال

جن کو نہیں ہے اپنی خبر ....

(سب مل کر کہتے ہیں 'دیکھتے ہیں ہم' اور واہ واہ کا شور مچ جاتا ہے۔)

بیتاب صاحب ۔ صاحب صدر توجہ فرمائیے، عرض کیا ہے۔

صاحب صدر ۔ ارشاد۔

بیتاب صاحب ۔ بے موت مر گئے جنہیں مرنا ضرور تھا

لیکن نزاع آہ و اثر دیکھتے ہیں ہم

صاحب صدر ۔ واہ صاحب واہ، شعر کیا ہے اعجاز ہے، کیا سند

پیش کی ہے، ایک شعر دیوانوں پر بھاری ہے"
(لوگ داد دے رہے ہیں، بیتاب صاحب آداب بجالا رہے ہیں۔ مکرّر مکرّر کے اصرار پر آپ شعر کو مکرر پڑھتے ہیں)

بیتاب صاحب۔ آخری شعر ہے:۔

گردش میں آسماں ہے خدا خیر ہی کرے

ایک صاحب۔ کیا بولتا ہؤا مصرع ہے، واہ وا'

بیتاب صاحب۔ گردش میں آسماں ہے خدا خیر ہی کرے
ہر لحظہ انقلابِ دگر دیکھتے ہیں ہم

(ہر طرف سے سبحان اللہ اور واہ وا کا غلغلہ بلند ہوتا ہے۔ لوگ بڑھ چڑھ کر داد دے رہے ہیں۔ صاحبِ صدر کی ہاہاہا بہت نمایاں ہے)

(بے تاب آداب بجا لاتے ہیں)

حاضرین۔ مکرّر مکرّر؟

بیتاب صاحب۔ گردش میں آسماں ہے خدا خیر ہی کرے
ہر لحظہ انقلاب دگر دیکھتے ہیں ہم

فیضان صاحب۔ کتنا بلیغ شعر فرمایا ہے آپ نے، بیتاب صاحب آپ ہی کہہ سکتے ہیں۔

(بے تاب دوبارہ آداب بجا لاتے ہیں)

بیتاب صاحب۔ مقطع عرض کیا ہے۔

آنکھوں میں ہے مآلِ جہانِ خراب کا
بیتاب کیا کہیں کہ کدھر دیکھتے ہیں ہم

(ہر طرف تالیوں کا شور، بے تاب صاحب آداب بجا لاتے ہوئے
لوٹ آتے ہیں۔ حاضرین کے سر ہل رہے ہیں۔ مختلف آوازیں'
ایک اور، ایک اور
صاحب صدر کھڑے ہوتے ہیں)

صاحب صدر۔ اِس مرصع غزل کے بعد اب میں اپنے نوجوان شاعر سے جنہیں رباعیاں کہنے میں ید طُولےٰ حاصل ہے درخواست کروں گا کہ وہ تشریف لائیں۔ میری مراد جناب لئیق احمد صاحب معجزہ سے ہے:
(تالیاں بجتی ہیں اور معجزہ صاحب سٹیج پر آتے ہیں)

معجزہ۔ چند رباعیاں عرض کرتا ہوں، ملاحظہ ہوں:۔

ناساز مزاج آسماں ہے تو کیا
راحت پہ عذاب کا گماں ہے تو کیا
جیتا ہوں کہ زندگی ہے جینے کیلئے
مرنا ہے اگر مآلِ انساں تو کیا

حاضرین۔ خوب، خوب! کیا حقیقت کہی ہے آپ نے، خیام العصر ہیں آپ، واہ وا، مکرر مکرر۔

(معجزہ صاحب رباعی دوبارہ پڑھتے ہیں اور آداب بجا لاتے ہیں)

معجزہ صاحب۔ دوسری رباعی عرض کرتا ہوں۔ صاحب صدر سماعت فرما دیں۔

صاحب صدر۔ ارشاد۔

معجزہ صاحب۔ فردا کا فریب کھاؤں، توبہ توبہ

ایک صاحب۔ واہ وا، کیا تیور ہیں۔

معجزہ صاحب۔ فردا کا فریب کھاؤں، توبہ توبہ

اوہام سے دل لگاؤں توبہ توبہ

اُمید کروں کہ آپ کل آئیں گے

پھر آپ کو آزماؤں توبہ توبہ

حاضرین۔ اہاہا۔ کیا روزمرہ ہے۔ سبحان اللہ، معجزہ صاحب زبان

آپ ہی کا حصہ ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔

معجزہ صاحب۔ (آداب عرض کہتے ہوئے) ایک اور رُباعی سُنئے

یہ سبزہ، یہ جام، یہ بہاراں ساقی

پھیلے ہوئے ابر کا گریباں ساقی

دُنیا کا لحاظ ہے نہ عقبے کا خیال

ہے وجہ قرار بے قراراں ساقی

حاضرین۔ (اُٹھ اُٹھ کر داد دے رہے ہیں) کیا ٹکڑے رکھ دیئے ہیں

"ہے وجہ قرار بے قراراں" خوب ہے، نقشہ کھینچ کے رکھ

دیا ہے۔

معجزہ صاحب۔ عرض کیا ہے:-

کہنے کو تو ہر سفینہ سکھے لیتا ہوں

دل کو بھی کئی فریب دے لیتا ہوں

تم درد جو دو تو لو کس، معاذ اللہ

لاؤ تو یہ دردِ سر بھی لے لیتا ہوں

صاحب صدر۔ دردِ سر خوب کہا۔ غالب کہتے ہیں۔

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

کیا سند بخشی ہے۔ (حاضرین) سبحان اللہ، پھر فرمائیے۔

(معجزہ آداب بجا لاکر مکرر پڑھتے ہیں)

معجزہ صاحب۔ آخری رباعی عرض کرتا ہوں:۔

سینے میں مچی ہے ایک ہلچل ساقی
کونے سے اٹھا تو اپنی بوتل ساقی
دے جام کہ معلوم کہاں ہے مجھ کو
جی لونگا یہاں اور بھی اک پل ساقی

(داد کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ مکرر مکرر کا ہنگامہ برپا ہوتا ہے۔ کچھ دیر تک گہما گہمی رہتی ہے۔ پھر ——)

صاحب صدر۔ مشاعرے کا رنگ معجزہ صاحب کے اعجاز سے بندھ گیا ہے۔ اب میں اپنے محترم دوست ڈاکٹر طور احمد کلیم سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی نظم سے ہمیں شرفیاب فرما دیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کا کلام اپنا جواب آپ ہے، بقولِ غالب

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے

نظم آزاد میں جس علوِ تخیل کے آپ مالک ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ وہ آیندہ نسلوں کے لئے ایک سبق ہے:

ناظم۔ ڈاکٹر طور احمد صاحب کلیم۔ (لوگ تالیاں بجاتے ہیں)

ڈاکٹر کلیم۔ نظم کا عنوان ہے 'تضاد' عرض کرتا ہوں۔

کل اسی راہ سے ہم دونوں چلے آتے تھے
شادماں، شاداں و فرحاں دونوں
اسی رستے سے —— اسی رستے سے

چلے آتے تھے

ہم، تم ---- دونوں

گرمی سے بہتے پسینے کے ہزاروں قطرے

تابناک،

انجم رخشندہ،

بہاروں کے چراغ

شب عشرت کے حسین سیارے

آنچ،

اٹھتی ہوئی سایوں کے حسیں بالوں سے

جس طرح کھولتا سیسہ کہیں لو دے اٹھے

(حاضرین) کیا جدید تراکیب ہیں۔ واہ وا، پھر فرمائیے۔

ڈاکٹر صاحب۔ عرض کرتا ہوں۔ آنچ

اٹھتی ہوئی سایوں کے حسیں بالوں سے

جس طرح کھولتا سیسہ کہیں لو دے اٹھے

دھوپ کی برکھا

دھڑکتی ہوئی دن کی چھاتی

اور ہم دونوں

نگہ کتنا سکوں ---- کتنی خوشی

شادماں، شاداں و فرحاں

دونوں

حاضرین۔ کیا بات کہی ہے۔ کتنا بلیغ نقشہ کھینچا ہے، ڈاکٹر صاحب!

واہ وا، انتہا کر دی حقیقت نگاری ہے صاحب حقیقت نگاری؛

ڈاکٹر صاحب۔ شکریہ، عرض کیا ہے۔

آج تنہا اسی رستے سے چلا آتا ہوں
آسماں اپنی سیہ پلکوں سے تکتا ہے مجھے

(حاضرین) واہ وا، پھر فرمائیے۔

ڈاکٹر کلیم۔
آج تنہا اسی رستے سے چلا آتا ہوں
آسماں اپنی سیہ پلکوں سے تکتا ہے مجھے
بدلیاں چھائی ہوئی،
مست ہوائیں،
سرشار،
آسماں اپنی سیہ پلکوں سے تکتا ہے مجھے
ذرّے قدموں سے لپٹتے ہوئے کانٹوں کی طرح
پاؤں مَن مَن کے ہوئے جاتے ہیں
اور قدم اُٹھنے سے قاصر ——— توبہ!
بھاگتی راہ ٹھٹکی ہاری کہے جاتی ہے
کیوں جی، کہئے تو اکیلے کیوں ہو،
کل تو تم دو تھے ——— اجی دو تھے ——— اکیلے کیوں ہو

واہ وا کا شور برپا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جاری رکھتے ہیں۔

کل تو تم دو تھے ——— اجی دو تھے ——— اکیلے کیوں ہو
گھورتے پیتے بھی کہتے ہیں
یہی کہتے ہیں،

دو تھے ——

کل ——

آج اکیلا ہے —— اکیلا کیوں ہے

(ہر طرف سے واہ وا کا شور اُٹھتا ہے۔ ایک ہنگامہ سا برپا ہو جاتا ہے)

صاحب صدر۔ ڈاکٹر کلیم صاحب کی نظم آپ نے سُنی، رفعتِ تخیل اور انداز بیان کا یہ عالم ہو تو ہر قسم کی پابندی قربان کی جاسکتی ہے۔ تخیل کے سامنے ترنم کا چراغ نہیں جل سکتا۔ (ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے) عجیب نظم کہی ہے ڈاکٹر صاحب آپ نے۔

ڈاکٹر صاحب۔ (وہیں سے) آداب عرض کرتا ہوں۔

صاحب صدر۔ اب میں اپنے عزیز شاعر خان بہادر حضرت لطیف بلند شہری سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے کلام سے ہمیں محظوظ فرمائیں۔

حضرت لطیف۔ حضرات! یہ نظم جو میں عرض کرنے لگا ہوں، میرے سفرِ یورپ کی یادگار ہے۔ میں صدرِ محترم شیخ صاحب قبلہ کے ایما پہ یورپ گیا۔ اور وہاں اہلِ یورپ کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یہ نظم لندن کی ایک محفل میں پڑھی گئی تھی جس کی صدارت بھی قبلہ نے ہی فرمائی تھی۔ میں نے بعد میں اس میں چند ایک ترمیمیں بھی کر دی ہیں۔ شیخ صاحب قبلہ پسند فرمائیں گے۔

صاحب صدر۔ ارشاد

حضرت لطیف۔ یہ لندن کا مغرب، یہ مغرب کا لندن

تو یہاں کیا ہے:۔ نہ آنچل نہ ساری، نہ پردہ، نہ چلمن

یہاں مہ وشوں کی نگاہوں میں بس کر
ہوس کر، کہ مل جائیں شیخ و برہمن

حاضرین۔ واہ وا کیا ہندو مسلمان اتحاد کی صورت تجویز کی ہے —— واہ وا،
حضرت لطیف۔ میرا روئے سخن تو شیخ صاحب قبلہ کی طرف تھا ——
(حاضرین ہنستے ہیں اور صاحب صدر بھی، لطیف صاحب مسکراتے ہوئے شعر کو دُہراتے ہیں)
عرض کرتا ہوں:۔ ہوئی رونق افروز برقِ کلیسا
جل اُٹھا ہے میری نگاہوں کا خرمن
یہ مرمر کے چہرے، سیہ مست زُلفیں
کہیں ڈس نہ لے چاند کو کوئی ناگن
خدا ہی کرے جب میں لوٹوں یہاں سے
تو محفوظ لے جاؤں ایماں کا دامن
(حاضرین) تو کیا واقعی آپ محفوظ لے آئے (قہقہے)
لطیف صاحب۔ ...... یہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں، (قہقہے)
صاحب صدر۔ خدا اُنے ناخدائی نہ کی، ایک دُعا بھی نہ سُنی آپ کی (قہقہے)
لطیف صاحب۔ (شعر کو مکرر پڑھتے ہیں)
خدا ہی کرے جب میں لوٹوں یہاں سے
تو محفوظ لے جاؤں ایماں کا دامن

یہ لندن کا مغرب، یہ مغرب کا لندن
دوسرا بند عرض کرتا ہوں، وہاں مجھے وطن کی یاد بے اختیار آتی رہی، تو عرض کیا ہے:۔

وہ مشرق، وہ میرے اَب و جد کا کعبا
جہاں مل کے بہتی ہے گنگا سے جمنا
وہاں ذرہ ذرہ عبادت کدہ ہے
خدا کی عقیدت ہے ہر شے سے پیدا
حیا ہے وہاں اور یہاں سرخ پوڈر
یہاں حُسن رنگیں، وہاں حسن سادہ
نہ پاکیزہ شوخی، نہ معصوم نظریں
نہ دل میں ارادہ، نہ منہ پر تقاضا

(لوگ جھوم رہے ہیں۔ واہ واہ سے تو اصنع کی جا رہی ہے۔ لطیف صاحب مکرّر پڑھتے ہیں)

یہ کیا بزم ہے جس کی رنگینیوں میں
بجز جام و صہبا نہیں کوئی بادہ
وہ بادہ، وہ مے ہاں جو ہے مرد افگن
یہ لندن کا مغرب، یہ مغرب کا لندن

تیسرا بند سُنیے۔ یہاں کیا ہے۔ یعنی وہاں، لندن میں۔

یہاں ہے خدائی کی نُوا اہلِ زر میں
نہیں کوئی انسان ان کی نظر میں
چلے جا رہے ہیں سنیما گھروں کو
نہ دل میں محبت، نہ سودا ہی سر میں
یہاں پھول کھلتے ہیں بے خار و بے بُو
مگر وہ بھی گل ہیں جو ہیں میرے گھر میں

مرے دل سے پوچھا اُن گلوں کی حقیقت
کہ وہ گل ہیں اب بھی مری چشم تر میں

"وہ گل" سے مراد یہاں کے یعنی ہندوستانی پھول، یہ نازک نازک پنکھڑیاں، یہ معصوم بھولے بھالے بچّے۔
تو عرض کیا ہے:- مرے دل سے پوچھا اُن گلوں کی حقیقت
کہ وہ گل ہیں اب بھی مری چشم تر میں
نثار اُن گلوں پر یہ لندن کے گلشن
یہ لندن کا مغرب، یہ مغرب کا لندن

اب کچھ واقعاتی شعر سُنیئے۔ وہاں میں عشق کر بیٹھا۔ (لوگ قہقہے لگاتے ہیں۔ لطیف صاحب خود ہنس رہے ہیں)
(صاحب صدر) نتیجہ ظاہر ہے (دوبارہ قہقہے بلند ہوتے ہیں) ہاں تو صاحب ہر بات کا ایک نتیجہ بھی ہوتا ہے، شیخ صاحب فرماتے ہیں نتیجہ ظاہر ہے، کہا ہے:-

کہاں میں، کہاں عاشقی کے زمانے
کہ اُٹھتی ہے ہر برق آنکھیں لڑانے
خدا ہی سنبھالے مرا دل تو سنبھلے
کہ اِک سر ہے اور سینکڑوں آستانے
جُدا میرا مسلک، مگر کیسے روکوں
یہ قسمت کی باتیں، بُتوں کے بہانے
جہاں میں نے اپنی نگاہیں اُٹھائیں
وہیں آ گئی پھر کوئی مسکرانے
لطیف اب وطن کی طرف لوٹ جاؤ

یہاں دل کا کیا حال ہو، کون جانے

وہ آموں کے پیڑ اور وہ پینگیں وہ ساون

یہ لندن کا مغرب، یہ مغرب کا لندن

(لوگ سر دھن رہے ہیں، واہ واہ کا شور ہے ——— ایک اور ——— ایک اور)

صاحب صدر - اب میں پنجاب کے افسانہ نگار اور نوجوان شاعر جناب
اکبر نعیم فارسی سے اپنا کلام پیش کرنے کے لئے کہوں گا - آپ مشہور
ماہنامہ 'سفیر ادب' کے مدیر ہیں -

ناظم - جناب اکبر نعیم فارسی تشریف لائیں -

اکبر صاحب - چند قطعے پیش کرونگا - اگر پسند خاطر ہوں ؟

صاحب صدر - فرمائیے -

اکبر صاحب - عنوان ہے 'شرم' !

حاضرین - بلند آواز سے، بلند آواز سے، (اکبر صاحب بلند آواز سے
کہتے ہیں 'شرم' ! لوگ خاموش ہو جاتے ہیں)

وہ سرکتے ہوئے آنچل کو کسی نے دیکھا
کھیت میں چلتی درانتی کی صدا رک سی گئی
ساسیہ قہقہہ اک سمت سے لہرا کے اٹھا
شرم سے بوڑھے دیہاتی کی کمر جھک سی گئی

(حاضرین) واہ واہ، کیا حقیقت نگاری ہے - دیہات کی شاعری آپ
ہی کا کام ہے - کمال کر دیا ہے صاحب !

اکبر صاحب - دوسرا قطعہ عرض کرتا ہوں - عنوان ہے 'انتظار'

ریشم پر یوں نظر جمائے ہوئے

کھاٹ پر چپ سے لیٹی لیٹی کون

کس کی یوں راہ دیکھتی ہے ابھی

کس کی آہٹ تھی دیکھوں ؟ "بیٹی !" ——— کون !

حاضرین ۔ ا ہا ہا ۔ شاعری نہیں ۔ اعجاز ہے واللہ ۔ کیسی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑا ہے آپ نے ۔

اکبر صاحب ۔ قطعہ عرض کرتا ہوں ، عنوان ہے " رقیب " ۔

وہ سُہاگن لئے قدم رکھنے ادھر ڈولی میں

وہ اُدھر روتی ہوئی ماں نے جگر تھام لیا

باجے بجنے لگے " ——— ٹھہرو !" وہ گنڈلے سے اُٹھے

" کون لال اس کو مرے ہاتھ سے لیجائیگا "

حاضرین ۔ تصویر ہے صاحب تصویر ، کتنی باکمال عکاسی ہے ۔ اکبر صاحب آپ ہی کا حصہ ہے ، واہ وا ، مکرر فرمائیے ——— کون لال اس کو مرے ہاتھوں سے لے جائے گا ——— خوب ہے صاحب خوب ہے ؛

(اکبر صاحب قطعہ دوبارہ پڑھتے ہیں)

اکبر صاحب ۔ آخری قطعہ ہے " دُوری "

لا اُٹھا لوں یہ گھڑا تیرا ، کہاں جائیگی

ابھی ہاتھوں پہ ہے شادی کی حنائی تحریر

سُرخ جوڑے پہ دہکتا ہے چھلکتا پانی

آنسو بن جاتی ہے قطروں سے ٹپکتی تصویر

(تالیاں بجتی ہیں اور اکبر صاحب لوٹ آتے ہیں)

صاحبِ صدر۔ حضرات! جس خواجہ گیسو دراز کو میں اب دعوت
دے رہا ہوں، اُن کے نام سے آپ کے کان ناآشنا نہیں
جناب کبیر جی کے گیت ملک میں بہت مقبول ہوئے ہیں۔ اور میں
سے درخواست کروں گا۔ کہ وہ ہمیں کسی گیت سے سرفراز فرمائیں

ناظم۔ جناب کبیر جی تشریف لائیں۔

کبیر جی۔ گیت عرض کرتا ہوں "پھر برکھا کے دن آئے"

آوازیں۔ ترنم سے۔

صاحبِ صدر۔ ضرور!

کبیر جی۔ میرے نزدیک گیت میں اس قدر ترنم ہوتا ہے۔ کہ اُسے
مزید نغمگی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تاہم صاحبِ صدر کے ارشاد
کی تعمیل کرتا ہوں۔ (تالیاں بجتی ہیں)

کبیر جی۔ پھر برکھا کے دن آئے
بوندوں نے ساز اُٹھائے

(حاضرین واہ وا)

بوندوں نے ساز اُٹھائے
میں ناچوں، گائے بادل
تو من کی موج منائے
دل کوکے کوئل کوئل
اور کوئل ڈال پہ گائے —— پھر برکھا کے دن آئے

حاضرین۔ اہاہا۔ ساون کا لطف آگیا۔ بارش کا سماں طاری ہو
گیا!

صاحب صدر۔ کبیر جی۔ بارش یُونہی ہوتی رہے۔ کیفیت بندھ گئی ہے پھر فرمائیے۔

(کبیر جی اس بند کو دوبارہ پڑھتے ہیں)

کبیر جی۔ دُوسرا بند عرض کرتا ہوں۔

دستک در پر آجاؤں
اور بول رہی ہے چوکھٹ
وہ آئے، میں گھبراؤں
اللہ مری گھبراہٹ
خود گھونگٹ بھی اُٹھ جائے ـــــ پھر برکھا کے دن آئے

(تالیاں بجتی ہیں) حاضرین۔ واللہ خوب ہے، اہاہا کمال ہے، خود گھونگھٹ بھی اُٹھ جائے، کیا ٹکڑا رکھ دیا ہے پھر فرمائیے۔ (صاحب صدر کے ارشاد کے مطابق کبیر جی دوبارہ بند پڑھتے ہیں۔ اور لوٹ جاتے ہیں)

صاحب صدر۔ ابھی ابھی آپ ساون کا لطف اُٹھا رہے تھے لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ دیر سے جس شاعر پر نگاہیں جمائے بیٹھے ہیں اس کو نہیں بھولے۔ جناب نجم فاریابی اپنے مخصوص انداز میں کوئی سانٹ سُنائیں تو یہ کیفیت اور بڑھ جائے!

ناظم۔ حضرت نجم فاریابی۔

نجم صاحب۔ قبلہ شیخ صاحب کی ذاتِ گرامی سے جو مجھے دیرینہ وابستگی ہے۔ اس کی بنا پر تعمیلِ ارشاد کو بجا لانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اگرچہ علالتِ طبع مانع تھی، لیکن جہاں شیخ صاحب قبلہ تشریف فرما ہوں وہاں نہ

پہنچنا میرے لئے ناممکن تھا۔ حاضر ہو گیا ہوں، میری آواز کچھ خراب
ہے۔ مجھے اُمید کہ آپ حضرات متانت سے سُنیں گے اور میری آواز
دُور تک پہنچ جائے گی۔ ایک سانیٹ عرض کرتا ہوں :

صاحب صدر۔ نجم صاحب وہی جو مجھے بے حد پسند ہے۔
نجم صاحب۔ تعمیل کرتا ہوں :
عرض کیا ہے :۔

ہُوا کیا ـــــ یاد ہیں ابتک اگر وہ دلنشیں لمحے
کہ جب میری نگاہوں میں تھا وہ فردوس نظارہ
کبھی اُبھرا ابھی ہے وقتِ سحر ڈوبا ہُوا تارہ
مری سلمٰے، پلٹ کر آ بھی سکتے ہیں کہیں لمحے

حاضرین۔ واہ وا، نجم صاحب کمال کر دیا آپ نے، کیا بند ہے، ایک
ایک نقطہ موتی ہے، سُبحان اللہ۔ فردوسِ نظارہ، کیا ترکیب ہے
پلٹ کر آ بھی سکتے ہیں کہیں لمحے، اہاہا۔
نجم صاحب۔ آپ کا احسان ہے ـــــ آداب عرض۔
(مکرّر پڑھتے ہیں)

دوسرا بند عرض ہے۔

وہی منظر ابھی تک میری آنکھوں میں نمایاں ہے
ہُوا کیا گر تری آنکھیں مجھے بے خواب رکھتی ہیں
مرے سینے میں دل کو پیکر سیماب رکھتی ہیں

حاضرین۔ اہاہا۔ نئی بات ہے، نجم صاحب، واہ وا، مکرّر فرمائیے :
(نجم صاحب دوبارہ پڑھتے ہیں)

یہی منظر ابھی تک میری آنکھوں میں نمایاں ہے
ہوا کیا گر تری آنکھیں مجھے بے خواب رکھتی ہیں
مرے سینے میں دل کو پیکر سیماب رکھتی ہیں
کہ آخر میری آنکھوں پر ترے جلووں کا احساں ہے

حاضرین۔ کیا احسان ہے، ہائے ہائے۔ نجم صاحب کمال کر دیا شاعری نہیں واللہ ستم ڈھا دیا آپ نے، ختم کر دیا۔

نجم صاحب۔ ذرہ نوازی، بندہ پروری؛ تیسرا بند ہے:۔

سیہ راتوں میں تنویر سحر جب مسکراتی ہے
تو ذرے تولنے لگتے ہیں پر محراب ظلمت سے
خموشی میں جب اپنے قلب کی آواز آتی ہے
تو نظریں جگمگا اٹھتی ہیں اک تازہ مسرت سے

(لوگ سبحان اللہ سبحان اللہ کا شور مچاتے ہیں) کیا حقائق فرمائے ہیں آپ نے، کتنی گہری نظر پائی ہے آپ نے۔ کیا اسلوب ہے، واہ وا، محراب ظلمت، اچھوتی ترکیب ہے۔ صاحب خوب ہے۔ دوبارہ فرمائیے؛

نجم صاحب۔ (بند دوبارہ پڑھتے ہیں) اور آخری شعر ہے کہ:۔

تڑپ سینے میں ہے آنکھوں میں ذوق دید باقی ہے
مجھے اُمید باقی ہے مجھے اُمید باقی ہے

"باقی ہے" کہتے ہی نجم صاحب آداب بجا لاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں۔ حاضرین تالیاں بجاتے ہیں)

صاحب صدر۔ اب میں مزدور کے پیامبر جناب فیضان بن خواہش سے درخواست کروں گا کہ وہ تشریف لا کر اپنے کلام سے مستفید فرمائیں۔

ناظم۔ حضرت فیضان بن خواہش تشریف لاتے ہیں۔

فیضان صاحب۔ نظم عرض کرتا ہوں۔ عنوان ہے "مزدور کی خودکشی"

(نظم کے دوران میں کہیں کہیں داد دی جاتی ہے)

یاد ہے فیضان اب تک شام فیض آباد کی
گردشیں دیکھی ہیں گو چرخِ ستم ایجاد کی

ہولے ہولے گھر کی جانب بڑھ رہا تھا آفتاب
ختم ہی ہونے کو تھی اب طفلِ مغرب کی کتاب

پتے پتے کی زباں پر خامشی کا نام تھا
راستے کے پتھروں پر مرگ کا ہنگام تھا

مفلسی کی داستانیں کہہ رہی تھی خاکِ راہ
جم نہ سکتی تھی یہاں ماحول پر اپنی نگاہ

مضطرب ذرّوں کی آنکھیں آفتاب اندوہ تھیں
شام کے خوں سے گھنی پرچھائیاں آلودہ تھیں

دور تک بے آبرو سایوں کے پھن لہراتے تھے
موت کا راگ اپنے اکتارے پہ جھینگر گاتے تھے

ہر طرف افسردگی کی بُڑبُڑاتی ٹولیاں
جس طرح اک نوجواں بیوہ کی ہوں ہمجولیاں

ہر طرف اک ہُو کا عالم، ہر طرف اک بیکسی
موت سے آنکھیں ملاتی تھی سکوں کی زندگی

کان میں یُوں آ رہے تھے طائروں کے چہچہے
جس طرح مرگِ عنادل پر گلگوں کے قہقہے
صُورِ اسرافیل سے پہلے کا عالم ہر طرف
چار سُو املی کے پیڑوں کی قطاریں صف بصف
اُٹھ رہا تھا زندگی کا میرے دل سے اعتبار
چھا رہا تھا میری آنکھوں پر خموشی کا غبار
جا رہا تھا میں اسی عالم میں دریا کی طرف
یوسفِ بے کارواں بن کر زلیخا کی طرف
سوچتا جاتا تھا میں یہ عالمِ بے رنگ و بُو
اور میں دل میں لئے جاتا ہوں خونِ آرزو
اِس قدر خاموش ہے کارِ جہانِ بے ثبات
اور اس میں میری شورش کا تقاضائے نجات
گرم بازاری مری اور سردِ ایوانِ نشاط
کیسے ہو سکتا ہے اِن دو رنگیوں میں ارتباط
پہنچا جب اس فکرِ عالمگیر میں دریا کے پاس
دیکھتا کیا ہوں کہ یاں بھی ہی ہر اک منظر اُداس
سوچ میں ڈُوبی ہوئی لہروں کا خواب مرمریں
آسماں — گویا زمیں کا اک جواب مرمریں
کوہسارِ دل کی سی چُپ سادھے ہوئے دریا کا پاٹ
اور اس کے پاس بے مصرف کا چند رگیت گھاٹ

دوسرا بند عرض کیا ہے:-

یک بیک میری نگاہیں خوف کھا کر رہ گئیں
میرے دل کی آرزوئیں منہ کو آ کر رہ گئیں

دیکھتا کیا ہوں کہ اِک بیگانۂ ہوش و حواس
مضمحل جس کے قویٰ ہیں اور ہے چہرا اُداس

زندگی سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کو ہے
یعنی وہ بے چارگی سے ڈوب کر مرنے کو ہے

باندھ کر پتھر گلے سے، جست کرنے کو ہی تھا
زندگی پر ایک اَور الزام دھرنے کو ہی تھا

دوڑ کر میں نے اُسے پکڑا بصد خوف و ہراس
کس کو ہو سکتا ہے اُس کی حالتِ نازک کا پاس

کپکپاتے ہونٹ آہِ سرد لے کر رہ گئے
نیلگوں رخسار بے رنگِ زرد لے کر رہ گئے

منتوں سے اُس نے سمجھایا کہ مرنا ہے مجھے
ایک ہی منزل ہے باقی اور گزرنا ہے مجھے

"عمر بھر مزدور بن کر پیٹ کو بھرتا رہا
جس طرح سے بن پڑا ہر کام میں کرتا رہا

گرم تھا خوں اور دل سینے میں سب کچھ ہو گیا
آخرش جب ہو گیا بوڑھا، نصیبہ سو گیا

آہ وہ زردار وہ پیسے کے دیووں کا غلام
جس کو سانپوں کے سروں سے بھی ہے زر لینے کا کام

میری حالت دیکھ کر گھر سے نکالا ہے مجھے

مخمصے میں میری کمزوری نے ڈالا ہی مجھے
میری خودداری کو ہے ذلت کا رسوائی کا غم
چاہیئے تھی اُس کو میرے حال پر نظرِ کرم
میری سب خدمت پہ، اُمیدوں پہ پانی پھر گیا
اور ذلت سے میں خود اپنی نظر سے گر گیا
اب مجھے کیا زندگی سے کام، جینے سے غرض
زندگی کو ہے فقط گاڑھے پسینے سے غرض
کہہ کے یہ اُس نے لگائی ایک بے باکانہ جست
یُوں زبردستی پہ قابُو پا گیا وہ زبردست
کیا بتاؤں کس طرح فیضان دل گھبرا گیا
دیکھ کر یہ منظرِ عبرت پسینہ آ گیا
آہ! اے ہندوستاں یہ تیرے انسانوں کا حال
دیکھ! آقا کو نہیں ہے اپنے خادم کا خیال
اُس کا خوں پینا روا رکھا ہے جس نے آج تک
چھین لی چہرے کی رونق اور آنکھوں کی چمک
دم رہا جب تک رگوں میں کام لیتا ہی رہا
اُس کے ہاتھوں زندگی کا جام لیتا ہی رہا
اور جب ناکارہ ہو کر بے بضاعت ہو گیا
موت اُس کی جاگ اُٹھی اور نصیبہ سو گیا
در میں عبرت ہے یہاں سرمایہ داری کا سلوک
اپنا خوں پینے کو دیتی ہے یہاں مفلس کی بھوک

خانماں برباد انسانوں پہ یہ جور و عتاب
انقلاب اے بیکسی اے فاقہ مستی انقلاب
پتھروں کا خون کھول اُٹھے یہ وہ انصاف ہے
یہ ترا سرمایہ تیری بے لبسی کی لاش ہے
کل خدا کو منہ دکھانا ہے تو کچھ کرنا بھی سیکھ
دوسروں کو مارنا سیکھا ہی خود مرنا بھی سیکھ
زیر دستوں پر ہوا تنی چیرہ دستی ہائے ہائے
ناتوانی ہائے ہائے، فاقہ مستی ہائے ہائے

(ہر طرف سے شور و غوغا بلند ہوتا ہے، کیا تاثیر ہے۔ آپ ہی کا حصہ ہے۔ مزدور کی فطرت کو آپ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ خوب کا گیا ہے۔ درد میں ڈوبا ہوا کلام ہے۔ کیوں نہ ہو بھائی آخر فیضان ہے۔ بھئی حد کر دی۔ کتنی صحیح تصویر کشی کی ہے۔ آنکھوں کے سامنے سماں باندھ دیا ہے)

صاحب صدر:۔ حضرات آپ نے جناب فیضان بن خواہش کا کلام سُنا۔ جناب فیضان ہمارے لیئے فیضانِ فطرت ہیں۔ آپ خود مزدور رہ چکے ہیں۔ اس لیئے مزدور کی کیفیت کو خوب جانتے ہیں۔ آپ ہندوستان کے اس طبقہ کے مسلّمہ رہنما ہیں۔ جس کو ایک وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نظموں میں اس قدر تاثیر ہوتی ہے۔ (وقفہ)

اب میں جناب پروفیسر عرفان کیوانی سے درخواست کرونگا کہ وہ اپنے کلام سے ہمیں سرفراز فرماویں۔ پروفیسر صاحب موصوف

نے نظم معرّیٰ میں نام پیدا کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے یورپ کے شعراء میں وہ اسلوبِ بیان نہیں دیکھا جو ان کے کلام کی خصوصیت ہے۔ تشریف لائیے عرفان صاحب!

ناظم۔ پروفیسر عرفان کیوانی صاحب!

عرفان صاحب۔ ایک نظم عرض کرتا ہوں۔ آپ حضرات کے لئے آج ہی کہہ کے لایا ہوں۔ عنوان ہے "میراث"
عرض کیا ہے۔

اپنی میراث ہی کیا ہے، یہ زمیں غیر کی ہے
تین سو سال سے پابند ہیں مقہور ہیں ہم

حاضرین۔ واہ واہ، پروفیسر صاحب کیا فرمایا آپ نے، پھر فرمائیے۔

عرفان صاحب۔

اپنی میراث ہی کیا ہے، یہ زمیں غیر کی ہے
تین سو سال سے پابند ہیں مقہور ہیں ہم
اپنی میراث، یہ ذلت، یہ غلامی کی قبا
چند خدمت کی رسیدیں ہیں قبالے ہیں چند
اور کیا ہوگا —— یہ گھر اور کا زر اور کا ہے

تو عرض کیا ہے۔

چند خدمت کی رسیدیں ہیں قبالے ہیں چند
اور کیا ہوگا —— یہ گھر اور کا زر اور کا ہے
یہ حسیں جسم، جواں جسم نہیں ہیں اپنے
ہم نے سیکھا ہے یہی، ہم نے یہی چاہا ہے

تین سو سال کی تاریخ میں لکھا ہے یہی
تین سو سالہ غلامی کا تقاضا ہے یہی
لیکن اے جان، مری جان، یہ تیرا ملبوس
ریشمی جسم پہ سجتا ہے یہ کھدر کا لباس؟
تیرے گدرائے ہوئے چہرے پہ گرا آنچل
میری غیرت کا تقاضا ہے مگر اور ہی کچھ
ہے مرے سامنے اور ترے پیشِ نظر اور ہی کچھ
اپنی میراث یہ ذلّت کے نشاں نوچ نہ لوں
اور پہناؤں تجھے نرم حریری ملبوس
تیرے شایاں، تیرے اس جسمِ حسیں کے شایاں

حاضرین۔ واہ وا پروفیسر صاحب، شاعری نہیں واللہ پیغمبری ہے۔
کیا فرما رہے ہیں آپ، سبحان اللہ۔

عرفان صاحب۔

اپنی میراث یہ ذلّت کے نشاں نوچ نہ لوں
اور پہناؤں تجھے نرم حریری ملبوس
تیرے شایاں، ترے اس جسمِ حسیں کے شایاں
اپنے اجداد کے اجداد نے جو دیکھا تھا
ہم وہی دیکھتے ہیں، کل تو نہیں دیکھیں گے
اپنی اولاد نہ دیکھے گی، نہیں دیکھے گی۔

(تالیاں بجتی ہیں، واہ وا کی داد کا شور ہر طرف پھیل جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب آخری بند مکرر پڑھ کر لوٹ آتے ہیں)

صاحب صدر۔ حضرات! آپ نے آج کا تاریخی مشاعرہ سنا۔ اس مشاعرے کی خوبی یہی نہ تھی، کہ اس میں ملک کے مقتدر شعراء شریک ہوئے۔ بلکہ یہ تھی کہ آپ نے مختلف اصنافِ سخن کے ستونوں کو حرکت کرتے دیکھا۔ آپ نے اس مشاعرے میں اُن شعراء کا کلام سُنا جو اپنے اپنے اسالیب کے ائمہ ہیں؛

حضرات! مَیں اُن شعراء کا مشکور ہوں کہ اُنھوں نے افکارِ گرانمایہ کا اظہار آپ کے سامنے فرمایا اور آپ کا کہ آپ نے اُسے انتہائی خلوص اور گرمجوشی سے سُنا۔ میں دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوا مشاعرے کے اجلاس کو ختم کرتا ہوں؛

ناظم۔ جلسہ برخاست ہوتا ہے +

شیخ عنایت اللہ صاحب پبلشر نے امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام پنڈت دھرم چند بھارگو بی۔ ایس سی چھپوا کر شائع کی